اسلامک آئیڈیالوجی آن وار سیریز

ترکوں کی جدوجہد آزادی

از

میجر جنرل محمد اکبر خاں
رنگروٹ

ناشر

مکتبہ ارتقائے ادب کراچی ۱

جملہ حقوق محفوظ

بار اوّل: ـــــــــــ مارچ سنہ ۶۶ء

تعداد: ـــــــــــ ۱۲ سو

طباعت لیتھو ـــــــــــ ڈلیسنٹ پریس

بلاک طباعت: ـــــــــــ عاصی پرنٹرز

قیمت: ـــــــــــ چار روپے

ناشر

مکتبہ ارتقائے ادب کراچی ۱

میں اس تالیف کو اپنے کثیر التعداد ذیل ان ہمدرد دوستوں
کے نامِ نامی سے معنون کرتا ہوں جنھوں نے میری ہمت
افزائی کی۔

ایم۔ ڈی۔ دادا بھائی (اسٹار ٹیکسٹائل ملز)
میاں کے۔ ایم۔ بشیر (حبیب سنز اسٹیل ملز)
محمود اے ہارون (وزیر مغربی پاکستان)

محمد اکبر خاں

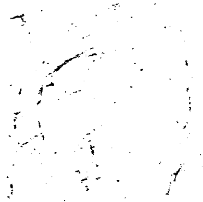

عرضِ ناشر

مکتبہ ارتقائے ادب کراچی علمی اور ادبی کتابوں کی اشاعت کے متعلق ایسے بلند عزائم کے ساتھ قائم ہوا تھا جن کے بارے میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ

اے طفلِ خود معاملہ سر سے عصا بلند

لیکن اگر عزائم میں اخلاص ہو تو مسبب الاسباب اس قسم کی صورتیں پیدا کر دیتا ہے جو ان کی تکمیل کا باعث ہو جاتی ہیں۔ مکتبہ کی ابتدا میں میری ملاقات پاکستان کے ممتاز ماہرِ لسانیات جناب شکیل احمد ضیاؔ سے ہوئی جنہوں نے ہماری حوصلہ افزائی کی۔ اس کے بعد حسنِ اتفاق سے میری ملاقات ملک محمد صدیق صاحب سے ہوئی جو اپنی تصنیف "وادیٔ کلر کہار" کی اشاعت کے سلسلے میں ہم سے ملاقاتی ہوئے تھے یہی ملاقات ہمارے اور پاکستان کے مایۂ صد افتخار جنرل اور صاحبِ قلم جناب میجر جنرل محمد اکبر خان صاحب سے روابط کا باعث ہوئی۔

جنرل محمد اکبر خان صاحب سیف و قلم کی حیثیت سے بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں اور پاکستان میں تو ان کی شہرت کا یہ حال ہے کہ یہاں ہر تعلیم یافتہ انھیں ملک کے نقید المثال سپاہی اور ادیب کی حیثیت سے جانتا ہے اور ہر ان پڑھ آدمی انھیں صاحبِ قلم کی حیثیت سے جانتا ہو یا نہ جانتا ہو صاحبِ سیف و علم کی حیثیت سے ضرور جانتا ہے، گویا انھیں جاننا ملک کے ہر خواندہ اور ناخواندہ شخص کیلئے بہر حال ضروری ہے۔

مکتبہ ارتقائے ادب کراچی نے جنرل صاحب کی تین کتابیں، "ترکوں کی جد و جہد آزادی"

۔ مصطفیٰ کمال پاشا اور تیسویں صدی کا مجاہد شائع کی ہیں اور متعدد کتابیں جن میں فورتھا فورژ (تیمور) کی طباعت کے انتظامات قریب قریب مکمل ہو چکے ہیں اور جلد از جلد منصہ شہود پر آنے والی ہے۔

پیش نظر کتابیں پروگرام کے خلاف کسی قدر تاخیر و تعویق کے ساتھ پیش کی جا رہی ہیں جن کے لئے عذر تو بہت سے پیش کر سکتا ہوں لیکن جنرل صاحب اور قارئین کرام سے معذرت خواہی پر اکتفا کرنا چاہتا ہوں اور قارئین سے درخواست کرتا ہوں کہ طباعت و کتابت کے سہو کے متعلق مجھے آگاہ فرمانے کی زحمت گوارا کریں تاکہ آئندہ اشاعت و طباعت میں انھیں رفع کیا جا سکے۔

آخر میں میں اپنے دوست جناب ملک محمد صدیق صاحب کا تہہ دل سے مشکور و ممنون ہوں جن کی وساطت سے مجھے جنرل صاحب کی کتب کی اشاعت کا شرف حاصل ہوا اور جنھوں نے کتابوں کی طباعت و اشاعت کے سلسلے میں میری ہر ممکن مدد کی۔

حافظ نعمت اللہ خان

اپریل سنہ ۱۹۶۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صاحبِ سیف و قلم

میرے محترم کرم فرما جناب میجر جنرل اکبر خاں پاکستان کے ان قابل قدر ہستیوں میں سے ہیں، جن کے خلوص، حُبِ وطن اور جذبۂ خدمت کے متعلق کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔

جنرل محترم ایک آزمودہ و نڈر سپاہی اور پاکستان کے سچے خادم ہیں۔ آپ بیک وقت صاحبِ سیف اور صاحبِ قلم ہیں اور یہ خصوصیات مشکل ہی سے ایک جا ہوتی ہیں۔ جنرل کو خدا نے یہ دونوں خصوصیات عطا کی ہیں۔

جنرل محترم نے اپنے قلم کی طاقت کو مسلمانوں میں عسکری روح بیدار کرنے اور ان میں عزمِ جہاد کے ساتھ ساتھ سلیقۂ جہاد پیدا کرنے کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ ذاتی تجربات اور سفر و سیاحت کے علاوہ دنیا کے ممتاز ترین شخصیتوں سے تعلقات اور ان سے تبادلِ خیال نے نیز موصوف کے عمیق و وسیع مطالعہ نے آپ کی فکر کو پختگی اور گہرائی عطا کی ہے۔ آپ بہت سی انگریزی اردو بلند پایہ کتابوں کے مصنف ہیں۔

زیرِ نظر کتاب "بیسویں صدی کا مجاہد" اسلامک آسٹڈیا لوجی آن وار سیریز کی ایک کڑی ہے اور اتاترک مصطفےٰ کمال پاشا کی مجاہدانہ زندگی اور جد و جہد آزادی کی داستان ہے۔ حق یہ ہے کہ اس موضوع پر جس انداز اور جس پہلو سے محترم جنرل نے لکھا ہے، وہ ان ہی کا حق تھا۔ اس مختصر کتاب میں جنرل نے گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے اور یہ اپنے موضوع پر بے پناہ عبور کی دلیل ہے اس کے علاوہ یقیناً زبان و تحریر کی سادگی نے اس کتاب کو عام فہم بنا دیا ہے۔

خاص طور پر حالیہ جنگ کے تلخ تجربات کے بعد ہمیں اپنے طرزِ فکر و عمل کو بدلنے

کی ضرورت کو محسوس کر لینا چاہیئے اور گفتار کے غازی کے ساتھ ساتھ کردار کا غازی بھی بننے کی سعیٔ بلیغ کرنا چاہیئے۔ اس مقصد کے لیئے جنرل کی تصانیف بہت مفید ثابت ہوتی ہیں۔ خصوصاً ترکی کی تاریخ اور اتاترک کی جد و جہد میں سے ہمیں بڑا سبق مل سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ "بیسویں صدی کا مجاہد" کا مطالعہ ہر تعلیم یافتہ اور محب وطن پاکستانی کے لیئے مفید ثابت ہوگا۔

حکیم محمد یسین دہلوی
(ہمدرد دواخانہ وقف کراچی)

دیباچہ

میجر جنرل اکبر خاں صاحب ایک دلچسپ شخصیت کے مالک ہیں ایک طرف تو وہ سرتاپا سپاہی ہیں اور ان جیسے باخبر تجربہ کار فوجی ہمارے ملک میں کم ہیں۔ مگر جو خصوصیت ان میں ہے ان کو فوجی افسروں سے ممتاز کر دیتی ہے یہ وہ ہے کہ اہل سیف ہونے کے ساتھ ساتھ اہل قلم بھی ہیں۔ چنانچہ جنرل صاحب نے تقریباً پندرہ کتابیں انگریزی میں اور ۱۴ اردو میں تصنیف کی ہیں۔

صاحب موصوف کو رسول اللہ صلعم سے بڑی گہری محبت و عقیدت ہے اور یہ اسی محبت کا نتیجہ ہے کہ ان کی فوجی اور علمی زندگی لائق تحسین ہے۔

مثال کے طور پر ہجرت سے متعلق بیشمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں مگر یہ جنرل اکبر خاں کی علمی تحقیقات اور دفاعی بصیرت ہی کا نتیجہ ہے کہ آپ نے بالکل نئے زاویہ سے ہجرت پر روشنی ڈالی۔ آپ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہجرت کر کے رسول اللہ صلعم نے خدانخواستہ راہ فرار اختیار نہیں کی بلکہ ان کا مدینہ تشریف لے جانا ایک فوجی ماہر کی حیثیت سے تھا اس لیے کہ مکہ تمام تجارت مدینہ کے راستے شمال سے ہوتی تھی اور مدینہ پر قبضہ کر کے ایک بہترین فوجی بصیرت کا ثبوت دیا۔ آپ نے مکہ والوں کو اقتصادی اعتبار سے بے دست و پا کر دیا۔

زیر نظر کتاب ترکوں کا جہاد اور مصطفیٰ کمال پاشا کی سوانح حیات پر مشتمل ہے اور اس کتاب میں بھی جنرل موصوف نے اپنی عمیق نظری کا پورا ثبوت دیا ہے۔ مصطفیٰ کمال پر مختلف زبانوں میں بہت وسیع لٹریچر موجود ہے مگر آج تک کسی نے اتنی مکمل کتاب اسلام کے اس بہادر پر نہیں لکھی۔ یہی ایک کتاب ہے جس میں مصطفیٰ کمال پاشا کی زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے سب سے پہلے مصطفیٰ کمال کو ایک بیٹے کی حیثیت میں پیش کیا گیا جس میں بتایا گیا ہے کہ

ان کو ان کی والدہ سے کتنی بے پناہ عقیدت و محبت تھی اور وہ کس حد تک اپنی والدہ کے فرمانبردار تھے اس کتاب کے پڑھنے سے انکی والدہ محترمہ کے بارے میں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خاتون جن کی گود میں مصطفیٰ کمال نے پرورش پائی وہ کس حد تک مذہب کا اثر اپنے قلب پر رکھتی تھیں۔ اور خلیفۃ المسلمین سے کس حد تک ان کو عقیدت تھی۔

مصطفےٰ کمال پاشا کی طالب علمی کا زمانہ بڑی دقتِ نظر سے پیش کیا گیا ہے اور انکی عسکری تعلیم اور اس میں کمال پیدا کرنا یہ انہی کا کام تھا۔ جب ترکی پر جرمنی کا اثر پڑا تو مصطفےٰ کمال پاشا جرمن مشیروں کو صرف مشیر کی حیثیت سے ترکی میں قبول کرنے کو تیار تھے اور کسی وقت بھی اپنے کو جرمن افسروں کا ماتحت تصور کرنے کے لئے تیار نہیں تھے جرمن افسر بھی مصطفےٰ کمال کی خودداری اور آزاد طبع سے خفا تھے۔ مگر جب ضرورت پیش آئی تو مصطفیٰ کمال کو بھی آخر کار جنگ کے لئے تجویز کیا گیا۔ چنانچہ درہ دانیال پر جب انگریزوں نے حملہ کیا تو جرمنوں کا اندازہ یہ تھا کہ کوئی دنیا کی طاقت انگریزی بحری اور بری قوت کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ چنانچہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ جرمن فوج کو ایسے مشکل محاذ پر بھیجکر بدنامی حاصل کریں۔ لہٰذا انھوں نے مصطفےٰ کمال پاشا کو ترکی افواج دیکر اس مشکل کام کے لئے متعین کیا۔ مصطفےٰ کمال کو کس طرح سے درۂ دانیال کی لڑائی میں فتح حاصل ہوئی اس کا اندازہ اس کتاب کے پڑھنے سے ہوتا ہے۔

بالکل اسی طرح قفقاس کے محاذ پر اتحادی منصوبہ کے تحت ایک بڑے حملہ کی تیاری کی گئی اور اس محاذ پر بھی جرمن مبصرین کو فتح مشکل نظر آئی۔ چنانچہ پھر مصطفیٰ کمال اس مہم پر بھی بھیجدیا گیا۔ اور اللہ کی قدرت یہ ہوئی کہ مصطفیٰ کمال پاشا کو اس محاذ پر بھی کامیابی حاصل ہوئی۔

پے در پے کامیابیوں کے بعد جب مصطفیٰ کمال پاشا مختلف محاذوں پر فتح حاصل کرتے رہے تو لوگ ان کے قدردان ہو گئے مگر جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے ایک بڑی تعداد افسروں اور سیاستدانوں کی ایسی بھی تھی جو ان سے خائف بھی ہو گئی اور ان سے رشک و حسد کرنے لگے۔ چنانچہ فلسطین میں

ترکوں کی شکست کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مصطفیٰ کمال پاشا کی رائے پر عمل نہیں کیا گیا جنگ میں شکست کے بعد مصطفیٰ کمال پاشا نے جب دیکھا کہ انگریز ترکی کو تباہ کرنے کے درپے تلے ہوئے ہیں تو انہوں نے وہی کیا جو ایک غیور اور خوددار مجاہد سے توقع کی جاتی ہے۔ انہوں نے شکست ماننے سے انکار کر دیا۔ اور سرے کفن باندھ کر اناطولیہ کے مضافات میں چلے گئے اور وہاں انہوں نے جانباز ترکوں کی ایک جماعت تیار کی یورپ اپنی فتح کے گھمنڈ میں اس کمزور ترک جماعت کو حقارت کی نظر سے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ مصطفیٰ کمال پاشا نے اپنے آپ کو اناطولیہ کے اندر مستحکم کر دیا جب لائیڈ جارج نے یونانی فوج کو ترکی ساحل پر اتارا اور یونان کی فوج برابر بڑھتی چلی گئی۔ تو یورپ میں یونانی فوج کی فتح کی جشن کی تیاریاں شروع کی گئیں۔ مگر مصطفیٰ کمال پاشا نے اس فوج کی پیش قدمی کو روکا اور روک کر ایسی سختی سے پیچھے دھکیل دیا کہ یونان کے سپہ سالار کو اپنی شکست کی خبر اسوقت ہوئی کہ جب بھاگتی ہوئی فوج خود ان تک پہنچ گئی۔ اگر یورپ کا جنگی بیڑہ شکست خوردہ فوج کی مدد کو پہنچتا اور ان کو یونان تک نہ پہنچا دیتا تو یونان کی فوج کا ایک بھی سپاہی زندہ نہ رہتا۔ مصطفیٰ کمال کی اس غیر متوقع کامیابی کے لئے یورپ بالکل تیار نہ تھا۔ چنانچہ مصطفیٰ کمال پاشا نے نہ صرف میدان جنگ میں مکمل کامیابی حاصل کی بلکہ کانفرنس کے کمرہ میں یورپ کے سیاسی رہنماؤں کو پوری طرح شکست دی۔

اب ترکی ایک مغلوب قوم کے بجائے ایک فاتح قوم کی طرح دنیا کے سیاسی اسٹیج پر آتی ہے۔

ترکوں کا جہاد آزادی اور مصطفیٰ کمال کی سوانح عمری جو کہ اصولاً ایک ہی کتاب ہے لیکن تین جلدوں میں منقسم کر دی گئی ہے میری ذاتی رائے میں ایسا کرنا مناسب نہ تھا جنرل صاحب نے بھی اسے ایک ہی کتاب کی صورت میں مدون کیا تھا اور ایک دار الیتامی کو اس غرض سے پیش کیا تھا کہ اسے چھپوا کر اس سے آمدنی حاصل کرے لیکن وہ اس کی طباعت سے قاصر رہا بالآخر اسے کراچی کے ایک ادارے نے بہ غرض اشاعت حاصل کر کے اسے تین جلدوں میں شائع کر دیا۔ جس قوم اور اس کے لیڈر نے اشاعت اسلام کو پیش نظر رکھ کر جہاد کیا وہ کامیا

نہیں۔

عثمانی ترکوں نے اسلامی جھنڈے کو اسوقت ہاتھ میں لیا جبکہ وہ سرنگوں ہونے والا تھا عثمانی ترکوں کی ہمت اور قرآنی تعلیمات کا پھر سے اٹل ہونا معجزہ تھا جس اسلامی علم کو نہ صرف ایشیا بلکہ یورپ پر بھی لہرا دیا۔

یہ اسلامی علم اسوقت تک لہراتا رہا جب تک ترک اسلامی روایات پر قائم رہے مگر جب انہوں نے یورپ کی مسیحی پری زادیوں کو اپنایا تو انکی اولاد اسلام سے دور ہوگئی حتیٰ کہ جہاد کی جگہ مغربی عسکری نظام نے لے لی اسکی وجہ سے ترکی یورپ کا "بیمار" کہلانے لگا۔ اور مسلسل انکی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے اور ۱۹۱۴-۱۸ء کی لڑائی میں مغربی اتحادیوں نے اس اسلامی سلطنت کو ہمیشہ کیلئے ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔

مصطفیٰ کمال ایک عجیب الخلقت ذہین ترک تھا۔ نہایت غریب گھرانے میں پیدا ہوا ابھی بچہ ہی تھا کہ یتیم ہوگیا مگر اس یتیم بچے نے دنیا کی تمام مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے انیس برس کی عمر میں اپنے ہمعصر فوجیوں سے کمال کا خطاب حاصل کیا۔ لہٰذا مصطفیٰ کمال بن گیا اور درہ دانیال میں خالد بن ولید کا جانشین ثابت ہوا اسے پاشا (جنرل) کے عہدے پر متعین کیا گیا جہاں اسکو پھر سے بیرونی دباؤ اور اندرونی سازشوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔

اس جانباز نے اسلامی سلطنت اور اسلامی جھنڈے کو سرنگوں ہوتے دیکھا تو بغاوت کر دی اور ترکوں کو پھر سے اسلامی تاریخ کو یاد دلایا اور اسلامی روایات کے مطابق مرد مجاہد کی فوج کا نام "محمد" رکھا اور مجاہدہ کو "فاطمہ" کے نام سے پکارا۔ یوں کہیئے کہ مجاہد اور مجاہدہ کے تعاون کے ساتھ یورپ کی اتحادی فوجوں کو ڈپلومیسی سیاسی اور میدان جنگ میں شکست پر شکست فاش دیکر اسلامی حکومت کے جھنڈے کو پھر سے کھڑا کر دیا اور جب ترکی قوم نے اسے اتاترک یعنی خالص ترکی نژاد کے لقب سے پکارا۔

اتاترک اور قائد اعظم کے اپنی قوم کے نام آخری پیغام کسی قدر ملتے جلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کی روحوں کو اپنی بارگاہ میں امان دے۔ (آمین)

میرے خیال میں طلباء، طالبات، سیاسی لیڈروں اور تمام فوجی بھائیوں کیلئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔ اس سے پتہ چلے گا کہ اسلامی روایات کس طرح زندہ کی جاسکتی ہیں اور زندہ رکھی جاسکتی ہیں۔

لفٹیننٹ کرنل محمد عطاء الرحیم (پرنسپل اردو کالج کراچی)

اپریل ۶۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

ہر قوم کی رہنمائی کے لیئے صرف ایک مردِ مجاہد کی ضرورت ہے کیونکہ رہنما کے بغیر قوم اُس بھیڑوں کے ریوڑ کی طرح ہے جس کا کوئی محافظ نہ ہو۔ اسلامی روایات کی بُنیاد ایک یتیم نے آج سے چودہ سو برس پہلے قائم کی تھی۔ بیسویں صدی میں جب اسلامی مملکت اغیار کی ریشہ دوانیوں اور چیرہ دستیوں کے نرغے میں آگئی۔ تو پھر ایک یتیم نے اُسے سنبھالا دیا۔ یہ یتیم ایک غریب اور وفادار ترک گھرانے میں پیدا ہوا۔ اُس کی زندگی کا آغاز بکریوں کے ریوڑ چرانے سے ہوا اور دُنیا سے رُخصت ہونے کے وقت وہ ایک عظیم و باوقار اسلامی حکومت کا صدر تھا۔

باوقار زندگی بسر کرنے کے لیئے قوم کے ہر فرد کو جفاکش، ایماندار، باعزم اور ایثار کے جذبہ سے سرشار ہونا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اُس قوم کا ہر فرد مجاہد ہو اور نہ صرف مجاہد بلکہ ان کا جہاد کسی تنظیم کے ماتحت ہو۔ قرآن مجید کا فرمان ہے ”اللہ کی راہ پر نکلنے سے پہلے امام کا انتخاب ضروری ہے اور اس انتخاب میں معیار دولتمندی نہیں بلکہ وسعت علم اور طاقت جسم ہے“ قرآن مجید میں یہ بھی آیا ہے۔ کہ ”فتحیابی

کے لیئے نہ تو کثرتِ افواج نہ کثرت مال و زر کی ضرورت ہے بلکہ بارہا چھوٹی سی جماعت کو کثیر تعداد پر نصرت حاصل ہوئی۔ ہاں دلوں میں عزم کا ہونا ضروری ہے۔ یہ داستان اس بیان کی دلیل ہے۔ جس کا آغاز ۶۹۹ھ میں ہوا اور اس کا خاتمہ ۱۳۴۲ھ میں 643 سال کے بعد ہونے کو تھا کہ ایک مردِ مجاہد کے عزم کی وجہ سے حالات نے پلٹا کھایا۔

یہ کتاب ہمیں یہ بتائے گی۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہم سے پہلے یہ کیوں یقین فرما لیتے تھے کہ:۔

آپ کے لشکری اور جانور "کیا، کتنا اور کہاں" سے کھائیں گے۔ اس لشکر کی باربرداری کیسی ہے؟ میدانِ جنگ میں سامانِ رسد کے ساتھ سامانِ حرب اور کمک کے پہنچنے کے لیئے کیا تدابیر لازمی ہیں؟

اس طرح سے ہم سقراط کے فلسفہ اور نپولین کے مشہور قول "کہ فوج اپنے پیٹ کے بل چلتی ہے" کو اسلامی روایات کے پسِ منظر سے سمجھ سکتے ہیں یا یوں کہیئے۔ کہ اسلامی علم دفاع اور اسلامی دفاعی تاریخ یہ بتلاتی ہے۔ کہ جرنل نہ صرف فنِ حرب کا ماہر ہو۔ بلکہ اس کے لیئے نظم و نسق میں کمال رکھنا ازحد ضروری ہے۔ کیونکہ کامیاب جرنیل کے لیئے ان دونوں خصوصیتوں میں یکساں طور پر ماہر ہونا لازم و ملزوم ہے۔

ترک قوم نے اسلام کی خدمت کرنے کا اس وقت بیڑا اٹھایا جبکہ عرب آرام طلبی نسلی عصبیت، نفاق اور باہمی رقابت اور نفس پرستی کا شکار

ہو کر بہت ہی کمزور ہو چکے تھے اور اب وہ جہاد کے لیئے تلوار اُٹھانے کے قابل نہ رہے تھے۔ اگرچہ یہ عرب اب بھی فرداً فرداً پہلے کی طرح دلیر، جرّی اور غیرت مند تھے۔ مگر چونکہ یہ اب اسلامی روایات اور اسلامی عقیدہ سے دُور ہٹ گئے تھے۔ اس لیئے نسلی عصبیت، کُنبہ پروری، تن آسانی وغیرہ جیسی کمزوریوں کا شکار ہو چکے تھے۔ لہٰذا وہ دوسروں کی حفاظت کیا کر سکتے۔ جبکہ اُنہوں نے مسئلہ جہاد کو ترک کر کے اب اپنے لشکر میں فارسیوں، تُرکوں اور دیگر قوموں کو داخل کر کے وہ قومی یک رنگی اور شجاعت کھو چکے تھے۔

علاوہ ازیں اب مغرب بھی بیدار ہو چکا تھا۔ دُوسری طرف بے دین تاتاری ترک جب یورپ کی طرف نہ بڑھ سکے۔ تو ان کا سیلاب اسلامی علاقے کی طرف بڑھا۔ ان دونوں سیلابوں کو روکنے کے لیئے مسلم تُرک آگے بڑھے۔ لامذہب تاتاری گو پہلے حملے میں کامیاب ہو گئے۔ مگر پھر یہ بھی دُوسرے تُرکوں کی طرح اسلامی جھنڈے کے شیدائی بن گئے۔ چنانچہ مغلوں نے بھی انہی کی پیروی کی۔

نادار اور مٹتے تُرک

ہم یہاں پر بھی اپنے اُصول پر کاربند رہیں گے یعنی ترکی حکومت یا حکمرانوں کا حال اُسی حد تک لکھیں گے۔ جہاں تک ہم اسلامی دفاع (ملٹری سائنس) کے اُصولوں کو اُجاگر کرنے کے لیئے ضروری سمجھتے ہیں۔

عربوں اور تُرکوں میں نفاق کس طرح سے پیدا ہوا؟ خصوصاً جبکہ

دونوں مسلمان ہیں۔ اور دونوں صدیوں تک ایک ہی فیڈریشن میں نہایت ہی خوشگوار حالات میں رہتے سہتے رہے۔ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ پاکستان، بھارت، ملایا، انڈونیشیا، مصر و شام وغیرہ میں بہت سے مسلمان مغرب اور یہودیوں کے پراپیگنڈے کا شکار بن کر اب ترکوں کو تو کیا اتاترک کو بھی صریحًا کافر سمجھتے ہیں۔ جبکہ ہم یہ جانتے ہیں۔ کہ ترک صدیوں سے مجاہدین کی حیثیت سے اسلام کی صفِ اوّل میں رہے۔ اور کیا ہم نے اتاترک کے ان الفاظ کو جو انھوں نے یکم مارچ ۱۹۲۴ء کو کہتے کہے۔ صحیح معنوں میں سمجھ لیا ہے۔

"کیا یہ حقیقت نہیں ہے۔ کہ اسی خلافت کے لیئے ترکوں نے ہر جنگ میں بطور مجاہد شامل ہو کر اپنی ہستی کو مٹا دیا۔ لیکن اب ترک جو جدوجہد کریں گے۔ خلافت کے لیئے نہیں۔ بلکہ اپنی قومی بقا کے لیئے کریں گے۔"

اس کے بعد بھٹکی ہوئی مسلم ملّت نے جس کا شیرازہ بکھر چکا تھا اُس کو پھر سے یکجا کرنے کی غرض سے "تحریکِ خلافت کے معاون" بن کر جب اتاترک کو "خلیفہ" کا لقب پیش کیا، تو اُس نے اس پیش کش کا ان الفاظ میں جواب دیا:۔

"موجودہ وقت میں خلافت کا وجود مذاق کے مترادف ہے۔ کیوں کہ مسلمانانِ عالم مختلف حکومتوں کے ماتحت ہیں۔ بحیثیت خلیفہ اگر میں کوئی ایسا فتویٰ مسلمانوں کو دوں جو اُن کی حکومتوں کے منافی ہو۔ تو اس حکم خلافت اور خلیفۃ المسلمین کی کیا وقعت رہ جاتی ہے۔" ... ؟

ہم اُمید کرتے ہیں۔ کہ اس بیان کی وجوہات آپ کو اس کتاب میں ملیں گی۔ مختصراً و اشارتاً یہاں یہ لکھ دینا ضروری ہے۔ کہ مغربی طاقتور حکومتوں اور یہودیوں نے مل کر ترکی حکومت کا کیوں خاتمہ کرنے میں متحدہ طور سے کام کیا۔ مثلاً اگر ترک و عرب الگ الگ نہ ہو جاتے اور وہ اسلامی اتحاد کو قائم رکھ کر پہلے اپنے دشمنوں کو شکست دیتے اور پھر نااہل حکومت کو الگ کر کے حکومت جمہوریہ اسلامیہ قائم کر لیتے تو :-

۱۔ نہ تو مغربی اقوام آجکل اُن معدنیاتی خزائن کی مالک ہوتیں۔ جن کی مدد سے وہ صنعتی اور تجارتی لحاظ سے دُنیا بھر میں صفِ اوّل میں ہیں۔ اگر صنعت نہ ہوتی تو تجارت نہ ہوتی۔ اگر تجارت نہ ہوتی تو ثروت نہ ہوتی اور ثروت نہ ہوتی تو پھر یہ اقتدار نہ ہوتا۔ چونکہ غیر مُسلم اقوام کے اقتدار کے لیئے ثروت لازمی شے ہے۔ کیوں کہ وہ اسلامی قناعت، عزم، مساوات، اُخوّت جیسی نعمتوں سے محروم ہیں۔

۲۔ اگر مغربی اقوام فاتح نہ بنتیں۔ تو یہودیوں کو بلفور صاحب اُن کا "پرانا وطن" کیسے عطا فرما سکتے؟ —— اگر ترکوں اور عربوں میں نفاق نہ ہوتا۔ تو اسرائیل آجکل مسلمانوں کے خلاف جارحانہ کاروائیوں میں صفِ اوّل میں کیسے ہوتا؟

کتاب کا دُوسرا حصّہ دُوسرا حصّہ قرآن مجید کے فرمان کی ایک مثال ہے:-

(۱) امیر جماعت کو (طالوت کی طرح) اپنی جماعت

کے صبر، ثبات اور اطاعت و انقیاد کا امتحان لینا چاہیئے۔ وہ لوگ جو امیر کے حکم کی اطاعت آسان حکموں میں نہیں کر سکتے۔ وہ میدانِ جنگ کی محنتیں برداشت کرنے کے قابل نہیں۔ ... امام کا انتخاب ضروری ہے۔ اس انتخاب میں معیار دولتمندی نہیں وسعت علم اور طاقت جسم ہے جیسا کہ قرآن کریم کے ان الفاظ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ سے ظاہر ہے۔

۲- کہ ایک نادار خاندان کا یتیم بچہ "اتاترک" کیسے بنا؟

اتاترک نے اپنے اعلیٰ دفاعی منصوبے کی سٹریٹیجی کو کس طرح سے صیغۂ راز میں رکھا۔ اس نے پہلے اپنے قدیم اور بدترین جانی دشمن کو جو کہ اب کمیونسٹ روس کہلاتا ہے۔ کس طرح سے اسکی آنکھوں میں دھول جھونکی۔ اور پھر تمام اُن مغربی اتحادیوں کو جنکے اتحادی لشکروں نے جرمنی اور ترکی کی فوجوں کو شکست فاش دی تھی۔ کس طرح سے الگ الگ کر کے سب کو اپنی شرائط کے منوانے پر مجبور کیا۔

کیا مسلمانانِ عالم نے اتاترک کی طرح محمدؐ اور فاطمہؓ کے ناموں کی زبردست اہمیت کو سمجھا ہے؟ اور اگر سمجھا ہے۔ تو پھر اتاترک کو کافر اور "گرے ولف" (GREY WOLF) کے القاب سے کیوں یاد کیا جا رہا ہے؟ جبکہ یہی وہ مردِ مجاہد تھا۔ جو طوفان خیز بھنور سے اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچا کر ساحل پر لے آیا۔

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ مغربی حکومتیں، یہودیوں اور عیسائیوں کا پراپیگنڈہ اس قدر زبردست تھا کہ دنیا کے تمام عوام اس کے اثر میں آگئے

مگر جب جنگ ختم ہوئی اور لوٹ کھسوٹ کے وقت اصلی واقعات آشکارا ہو گئے۔ تو پھر خوابِ غفلت میں رہنا ہمارے لیئے باعثِ عبرت ہے۔

کیا مسلمانانِ عالم نے بالعموم اور اسلامی مملکتوں کے اراکین نے بیسویں صدی کے اس مجاہدے سے کوئی سبق سیکھا ہے؟ کیا ان اسلامی حکومتوں کے لشکروں کے نظم و نسق غیر اسلامی نہیں ہیں مثلاً کیا ان لشکروں میں بھرتی نسلی امتیاز کی بنا پر نہیں ہے؟ کیا ہر ایک سیاسی لیڈر ایک خاص قبیلے کیلئے مفادِ حاصل کرنے کے نعرے مسلسل نہیں لگا رہا ہے؟ کیا اس طرزِ عمل سے نفاق و انتشار نہیں پھیل رہا ہے۔

افسوس اور عبرت کا مقام تو یہ ہے کہ مغربی دفاعی مبصرین اور مذہبی راہنماؤں اور ادیبوں نے تو اسلامی لشکر کی بنیادی طاقت کے راز کو نہ صرف سمجھ لیا ہے۔ بلکہ اس راز کو کتابوں کی صورت میں قلمبند بھی کر دیا ہے۔ مگر پھر بھی ہم ایسے بے ہوش ہیں۔ کہ ان کتابوں کو غور و خوض سے نہیں پڑھتے!

قرآن مجید کی رہنمائی کے ساتھ حدیثِ دفاع اور اسلامی روایات کے ہوتے ہوئے ہماری پست ہمتی۔ معذوری اور اخلاقی کمزوری ناقابل معافی گناہ ہے!

اِس کتاب کے واقعات سے یہ حقیقت واضح ہو جائیگی۔ کہ تمام مغربی حکومتیں اور تمام عیسائی اور یہودی سرمایہ دار "اسلام" کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ مگر "اسلام" چونکہ خدا کا آخری دین ہے۔ اس کو قیامت تک زندہ رہنا ہے۔ اسلیئے وہ سب کے سب ناکام رہے۔ اسی بنا پر جیسا کہ تاریخ شاہد ہے جب کبھی اسلام میں ایک طرف سے ضعف اور اضمحلال پیدا ہوا۔ تو جلد یا بدیر کسی اور جہت سے اس کی تلافی ہو گئی مثلاً جب خلافت کمزور ہو گئی۔ تو اسلامی ملت اپنی سیاسی اور اخلاقی مرکزیت کھو بیٹھی۔ تو

اللہ تعالیٰ نے اسلام کی اس کمزوری کا تدارک کرنے کے لیئے اسی نام نہاد خلافت کے سایۂ عاطفت میں کئی اور حکومتیں قائم کردیں۔ جنہوں نے اشاعتِ اسلام کو جاری رکھا۔ جو دراصل خلافت پر عائد ہوتا تھا اور اب پھر اسلامی مملکتوں میں اتحاد و الحاق کا جذبہ نمودار ہوگیا ہے۔

جب کروسیڈیوں نے یورپ میں آکر اسلام کو مٹانے کی کوشش کی، تو سلجوقی، اور ایوبی ترکوں اور عربوں کے مجاہدوں نے شام، ایشیائے کوچک مصر اور پھر یورپ میں گھس کر کروسیڈیوں کو شکست پر شکست دی، اس طرح سے اسلامی جھنڈا سرنگوں ہونے سے بچ گیا اُدھر غزنویوں، غوریوں، پٹھانوں اور مغلوں نے ہندوستان کے اطراف و جوانب میں اشاعت اسلام کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ مغل اُن ہی میں سے تھے جنہوں نے اسلام کو ختم کرنے کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ مگر پھر خود ہی اسلام کے ایسے حلقہ بگوش ہوئے۔ کہ اُنہوں نے اشاعتِ اسلام کی بہت اعلیٰ خدمت کی۔

جب ۱۹۱۴-۱۸ء کی عالمگیر جنگ کے بعد عیسائی اور یہودی دنیا نے یہ سمجھ لیا تھا۔ کہ اب وہ اسلام کو ختم ہی کردیں گے۔ مگر پھر وہ کیوں ناکام رہے ـــــ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیے!

حضرت امام مالکؒ کا قول ہے:۔

"اِس اُمت کا آخر انہی طریقوں سے اصلاح یاب ہوگا جس سے اس اُمت کے اوّل کی اصلاح ہوئی تھی"۔

ترکوں کا آبائی وطن

تاریخی لحاظ سے اُس وسیع و عریض خطۂ ارض میں جو کہ بحیرۂ خزر، جبل ارال، التائی، خطائی اور ہمالیہ کے درمیان واقع ہے اور جس کے ایک حصّے کو آج بھی ترکستان کہا جاتا ہے۔ وہ تمام ممالک ہیں، جہاں تاتاری قوم آباد تھی۔ یہی ترکی اقوام کا گہوارہ ہے۔ جہاں سے ابتدائی صدیوں میں وہ تمام بے دین وحشی گروہ نمودار ہوئے۔ جنہوں نے پہلے تو مغرب (یورپ) پر حملہ کیا۔ اور جب یورپ کا راستہ بند ہوا۔ تو مشرق (ایشیا) کا راستہ اختیار کیا۔ بالفاظ دیگر ترک، تاتاری مغل، قازغز اور قلموق یا قلماق سب اسی جگہ سے آئے تھے۔

یہی وہ علاقہ ہے۔ جسے سر ہالفورڈ میکنڈر نے "دنیا کے جزیرے کا دل" کہہ کر پکارا ہے اور یہ برطانوی جغرافیائی مبصر یہاں تک لکھ گیا ہے کہ "جو طاقت اس علاقے پر قابض ہوگی۔ وہ دنیا کے دل کی ملکہ ہوگی"۔ یعنی جو اہمیت انسانی زندگی کے لیئے دل کو حاصل ہے۔ وہی دماغی لحاظ سے اس علاقے کو حاصل ہے۔

بعض معتبر مورخین کا خیال ہے۔ کہ کسی زمانے میں ان تمام واحد الاصل قوموں کو "ترک" کہا جاتا تھا۔ مگر بعض مسلم مورخین کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ "یافث" کے ایک بیٹے کا نام "ترک" تھا جس کی اولاد ترک کے نام سے موسوم کی گئی۔

ترک نے ایک خلیج کے کنارے جو پہاڑوں سے چاروں طرف سے گھری ہوئی تھی۔ ایک شہر آباد کیا۔ جسے اپنی چھوٹی سی حکمرانی کا دارالخلافہ بنایا۔

چند روایات ترک کے آٹھویں جانشین قرہ خان کی پیدائش کے وقت بہت تعجب خیز باتوں کا ظہور ہوا۔

قرہ خان کی عمر ابھی ایک ہی سال کی تھی۔ کہ اس نے اس سلطنت کے امرا کے سامنے بآواز بلند یہ اعلان کیا:۔

> "اس کا نام "اوغوز خان" ہے۔ اور یہ کہ وہ اس وقت تک اپنی ماں کا دودھ نہ پئے گا۔ جب تک کہ اس کی ماں خدا کی وحدانیت کو تسلیم نہ کرے۔"

اوغوز خان جب بڑا ہوا۔ اور وہ اپنے خاندانی دیوتاؤں سے منحرف رہا تو اس کے باپ نے اسے گرفتار کرنے کا حکم دیا۔

اوغوز کے ساتھیوں نے جب اس کے باپ کی حکم عدولی کی تو باپ اور بیٹے میں جنگ ہوئی۔ لڑائی میں باپ کام آیا۔ اس نے اپنے

ساتھیوں کو "اولیغور" یعنی اپنے معاون کا خطاب دیا۔ بعد ازاں اس نے اپنی حکومت کی بہت توسیع کی۔ اوغور کے چار بیٹوں کی اولاد چوبیس ترکی قبائل کی سردار بنی۔

ہیرودولس مورخ اس مورخ کے قیاس میں ترک "اسکاثی" قوموں میں سے ہیں۔ جنہوں نے دارائے گشتاسپ کے زمانے میں سغدیہ۔ باختریہ کی سرحدوں پر بہت فساد برپا کر رکھے تھے۔

پارتھیا کے بادشاہ فراطیس اول (PHRRATES I) نے اسکاثی قوموں کو شاہ شام کے خلاف اپنی مدد کے لیئے بلایا تھا۔ مگر یہ سودا اُسے مہنگا پڑا۔ اور یہ قومیں (ترک) سغد و باختر میں زبردستی گھس کر مستقل طور سے آباد ہو گئیں۔

مورخ سکالینی اس مورخ نے ترک (TURACE) قوم کا تذکرہ کیا ہے۔ جو کہ کوہستانی صحراؤں تک پھیلی ہوئی تھی۔ ان کے شہر کا نام "گلونی" تھا جس کی عمارتیں لکڑی کی بنی ہوئی تھیں۔ اس شہر کے قریب کے وسیع جنگلات پر بھی ترکوں کا قبضہ تھا۔

چینی روایات کے بموجب قدیم ترین ترکی قبیلے کا نام "ہیون یو" (HYUNYU) یا "ہونگ نو" (HYUNG NOU) تھا جس کے سب سے پہلے بادشاہ کا زمانہ ۱۷۶۳ء قبل مسیح ہے۔

بعض مشرقی مورخین کا بیان ہے۔ کہ ترکیہ دراصل لفظ "ترک"

(TUKIU) کا چینی ترجمہ ہے۔ جس کو "ہیون یو" نے اختیار کرلیا تھا۔

آٹھویں صدی میں ہوک خاندان نے ہیون یو اور ٹوکیو کی قدیم سلطنت پر دوبارہ قبضہ کرلیا اور اس سے اویغور کی طاقت میں اضافہ ہوا۔ اور اُس نے شہر "کاشغر" کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ "ہوک خان" کے ایک جانشین قرہ لغیہ خان نے اسلام قبول کرکے اشاعت اسلام کا کام نہایت مستعدی سے کیا۔ ترکی اور تاتاری قبائل کے باوجود اسلام کی فتح ہوئی۔

ترک بنی اُمیہ اور بنی عباس کے عہد میں

بنی امیہ اور بنی عباس نے ترکی غلاموں کے دستے تیار کیئے۔ ہارون الرشید کے بیٹے معتصم نے چیدہ ترکی غلاموں کے دستے کی توسیع کی اور اس ترکی دستے سے محافظین کی فوج قائم کی۔ اس فوج نے ۸۶۲ء سے ۸۷۰ء تک اس قدر زور پکڑا۔ کہ اس عرصے میں اس فوج والوں نے چار خلیفہ بنائے اور معزول کیئے۔

دسویں صدی

اس صدی میں ترک فوجی حکام کا ظلم وستم جب ناقابل برداشت ہوگیا۔ تو بغاوت ہوئی۔ خلیفہ کے لشکر کے باغیوں کی مدد ایران کے خاندان بویہ نے کی جنہوں نے ترکوں کو بغداد سے نکال دیا۔ اس کے بعد آلِ بویہ با اقتدار ہوئے اور ایک صدی تک امیرالامرا کا عہدہ اسی خاندان میں رہا۔

گیارہویں صدی میں ترک کروسیڈیوں کے خلاف میدان جنگ میں

ترک وطن کی تحریک ترکی قبائل کو اپنے علاقے سے باہر کھینچ لائی اور اُن کے ایک گروہ کا مرکز تو شہر 'بخارا' تھا۔ دوسرے گروہ نے فارس کو فتح کیا اور غزنوی کی سلطنت قائم کی۔ جو ۹۱۰ھ سے ۱۱۸۹ھ تک قائم رہی۔

طغرل بیگ جو سلجوقی بادشاہ کا پوتا تھا۔ وہ پہلے غزنویوں کے ملک پر اور پھر فارس پر قابض ہوگیا۔ چار برس کے جنگ و قتال کے بعد طغرل نے آل بویہ کے اقتدار کو ختم کر کے بغداد میں پھر سے ترکوں کے اقتدار کو قائم کیا اور اپنے لیے 'سلطان' کا لقب خلیفہ سے حاصل کر کے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔

الپ ارسلان جو طغرل کا بھتیجا تھا۔ اُس نے روما کے بادشاہ کو شکست دے کر قید کر لیا۔ ملک شاہ بھی یورپ کے کروسیڈیوں کے کے خلاف جہاد کرتا رہا۔ اور اس نے فلسطین اور شام کو (۱۰۷۲-۱۰۹۲ء) فاطمی خلفاء سے چھین لیا تھا۔ سلجوقی خاندان کا آخری سلطان علاؤالدین ثانی تھا۔ جو کہ آل عثمانیہ ترکیہ حکومت کے بانی کے امیر عثمان کے ہاتھ سے میدان جنگ میں مارا گیا۔ لہٰذا اب آل عثمان نے اشاعتِ اسلام اور خدمت اسلام کو اپنے ذمے لے لیا۔

ہم عیسائی فاضل مورخ جرجی زیدان کے اس بیان ـــــ "صرف

عروجِ اسلام اور خلفائے راشدہ کا زمانہ مشہور اور ذی شان لوگوں کے پیدا کرنے میں ویسا ہی ممتاز گذرا ہے۔ جیسا کہ نپولین کا زمانہ نامی جرنیلوں کے لیے مشہور گذرا ہے۔ ... "وغیرہ" سے اتفاق نہیں کرتے۔ کیونکہ عروج اور خلفائے راشدہ کے امیر لشکر بے لوث جہاد فی سبیل اللہ کرنے والے لوگ تھے۔ ہاں اگر سلاطین اسلام کے دور کا مقابلہ نپولین کے دور سے کیا جائے۔ تو اس میں کچھ مشابہت ہوگی۔ علاوہ ازیں نپولین کا دور بہت مختصر تھا اور نپولین بذاتِ خود فقط تھوڑے عرصے کے لیئے اپنا وقار قائم رکھ سکا۔ لہٰذا عثمان اوّل۔ سلیم محمد ثانی، تیمور، محمود غزنوی، محمد شاہ سلجوقی، صلاح الدین ایوبی۔ ملکہ شجاۃ الدّر وغیرہ ایسے مسلم حکمران تھے۔ جو کہ اپنی زندگی کے آخری دم تک فاتح رہے۔ اسی طرح بیسویں صدی کے مجاہد اتاترک کو اُن مخالف حالات کا سامنا کرنا پڑا جن کے مقابلے میں نپولین کو عشرِ عشیر بھی مشکلات پیش نہیں آئیں۔ لیکن پھر بھی نپولین نامراد مرا اور اتاترک اُس یادگار کو مستحکم کر گیا۔ جو کہ اُس کے ہم قوم نے اُس سے 643 برس پہلے قائم کی تھی اور جو کہ اس وقت بھی اشتراکی مشرق و مغرب کے توازن کو قائم کیئے ہوئے ہے۔

دوسری دلیل جو ہم اپنے بیان کی تائید میں دینا چاہتے ہیں، وہ خود جرجی زیدان ہی کے قلم سے نکلی ہوئی ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور خلفائے راشدین کی حکومت خداترسی پر قائم تھی۔ انصاف و عادل کے ساتھ۔ وہ بہت سادہ زندگی بسر کرتے

تھے۔ ان کے عہد کا طرز تمدن دینی رتبوں سے ملتا جلتا تھا۔ حکومت، دنیاوی سے اُن کو کوئی مناسبت نہ تھی۔ ہر ایک خلیفۂ وقت موٹے کپڑے کا لباس پہنتا تھا۔ ان کے پاپوش کھجور کے پتّوں سے بُنے ہوئے تھے۔ اُن کی تلواریں مزین نہ تھیں۔ بلکہ کارآمد تھیں، خلیفۂ وقت اس طرح سے بازاروں میں چلا پھرا کرتے تھے۔ جیسے عام رعایا میں سے کوئی شخص گھومتا پھرتا ہے۔ وہ عوام سے نکتہ چینی کو تدبّر، تحمل اور خندہ پیشانی سے سن کر اپنے فیصلے سناتے تھے۔ وہ پاک طینت، خداترس، انصاف پسند اور بہترین اخلاق والے حکمران تھے۔

خلفائے راشدین کی غذا ان کے یہاں کے غریب سے غریب شخص کی غذا کے مطابق ہوتی تھی۔ وہ لوگ محتاجی یا تنگدستی کی وجہ سے اس قسم کی کمی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ایسا کرنے سے انہیں اپنی غریب رعایا کے ساتھ ہمدردی کا خیال رہتا تھا۔

حضرت علیؓ ابن ابی طالب کو اُن کی ذاتی املاک سے بہت زیادہ آمدنی ہوتی تھی، لیکن آپ سب کی سب محتاج لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور اپنا گذارہ نہایت صبر و قناعت سے کرتے تھے۔

خلفائے راشدین کو مال و دولت کی ذرا پرواہ نہ تھی۔ یہ خلفا ہی پر موقوف نہ تھا۔ بلکہ اُن کے وقت میں تمام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وغیرہ۔"

نپولین جو ایک عام فرد سے شہنشاہ بنا جس کی عشرت و آرام طلبی

کے افسانے بے شمار کتابوں میں قلمبند رہیں بے شک طمع اور لالچ کے غلام اور شان وشوکت اور نفس کا شیدائی نپولین مغرب میں کامیاب حکمران کہلایا جا سکتا ہے، مگر مجاہدین اسلام سے اُس کا مقابلہ کرنا... "چہ نسبت خاک را با عالم پاک" کے مترادف ہے۔

آلِ عثمان

آغاز ارطغرل خان ترکستان کا ایک امیر تھا جس کی چھوٹی سی ریاست تھی۔ اس امیر نے آہستہ آہستہ اپنے اطراف وجوانب میں کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جو کہ ایشیائے کوچک میں پھیلی ہوئی تھیں فتح کر کے اپنے تحت کر لیا۔

عثمان خان ارطغرل کے بیٹے عثمان خان نے دولتِ سلجوقیہ کے آخری سلطان علاؤ الدین کے مارے جانے کے بعد تاجِ شاہی اپنے سر پر رکھا۔ اور سلجوقی حکومت کے دار الخلافہ "قونیہ" کو اپنا دار السلطنت بنایا۔ یا یُوں کہیئے کہ ۶۹۹ھ میں دولتِ سلجوقی کے کھنڈروں پر آلِ عثمان کی سلطنت کا قصرِ رفیع الشان تعمیر ہُوا۔

عثمان بحیثیت سالار عثمان اوّل نہایت شجاع، عالی حوصلہ، نیک

عمل اور اسلام کا سچّا شیدائی تھا۔ ان ایّام میں یہ مشہور تھا "کہ قسطنطنیہ کا فاتح ایسا غازی مرد ہوگا۔ جو اہلِ جنّت میں سے ہوگا"

عثمان نے اس نظریہ کو اپنا "مقصد" تصوّر کر کے آلِ عثمان کے لیئے ایک دفاعی منصوبہ تیار کیا۔ عثمان نے پہلے اپنے گرد و نواح کے اُن اُمرا کو جو یا تو سلجوقی خاندان کے حلیف تھے یا رُوما کی حکومت کے اشاروں پر چلنے کی وجہ سے عثمان کے بڑھتے ہوئے اقتدار کا خاتمہ کر دینا چاہتے تھے۔ اس مضمون کے مراسلے بھیجے :۔

"آپ فسادات ختم کر کے اور اسلام قبول کر کے ہم سے بھائی چارہ قائم کریں اور اگر آپ اسلام قبول نہیں کرتے تو پھر جزیہ دیں اور اگر ان دونوں شرائط میں سے ایک بھی منظور نہیں، تو پھر جنگ کے لیئے تیار ہو جائیں"

اس خط کے جواب میں بعض اُمرا نے اسلام قبول کر لیا۔ بعضوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا اور بہت سے ایسے تھے۔ جو جنگ کے لیئے آمادہ ہو گئے۔ کیونکہ اُن کی پشت پر قیصر رُوم تھا۔ تاتاری اُمرا نے تو ان امرا کی بہت مدد کی۔ مگر ہر جگہ عثمان فتحیاب ہوا۔ دس سال کی متواتر جنگ و جدل کے بعد عثمان نے اپنی فتوحات کا دائرہ بحرۂ اسود کے ساحل تک پہنچا دیا اور اُس نے شہر ینی کو اپنی سلطنت کا دارالخلافہ بنایا۔ اب عثمان بروصہ کی طرف بڑھا۔

بروصہ

یہ شہر دفاعی لحاظ سے بہت اہم تھا۔ اور بہت بڑی تجارتی منڈی کا مرکز تھا۔ کیونکہ قُدرت نے اسے کئی قافلوں کے راستوں کا چوراہا بنا دیا تھا۔ اور ساتھ ہی فضائی لحاظ سے بہت مستحکم قلعہ تھا۔ جو کہ پہاڑی

علاقے میں تھا بعض پہاڑ ۷۲۰۰ فٹ بلندی کے ہیں۔ سمندر یہاں سے تقریباً ساٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ علاوہ ازیں بروصہ ایک پُرفضا مقام تھا جس کے چشموں پر غسلِ صحت کے لیئے روما کا قیصر اور قیصرئن ہر سال دونوں آتے تھے۔

اس مضبوط قلعے کو فتح کرنے میں عثمان کو کئی سال لگے اور اُس کی فتح اُس وقت حاصل ہوئی جب وہ بسترِ مرگ پر تھا۔ سلطان نے اپنے بیٹے اورخان کو جو اس شہر کی فتح کی خوشخبری لایا تھا۔ یوں نصیحت کی:۔

"اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں جدوجہد کرتے رہنا۔ احکامِ شریعت سے کبھی سرتابی نہ کرنا۔ کتاب و سنت کو اپنا دستور العمل بنائے رکھنا تمہارا ہر جہاد فی سبیل اللہ ہونا چاہیئے۔ لوگوں پر رحم کرنا۔ ظاہر باطن ایک رکھنا...."

عثمان نے ایک نظم اپنے ورثہ کے لیے اس مضمون کی لکھی تھی:۔

"اگر تو ارطغرل کا بیٹا ہے۔ اور ارغوز قرہ خان کی نسل سے ہے اور اگر تجھے اپنے آپ کو اللہ تعالےٰ کا سچا خادم کہلوانے کا دعویٰ ہے۔ تو قسطنطنیہ کو فتح کر......"

عثمان کی اُس کی وصیت کے بموجب وہ بروصہ میں دفن کیا گیا۔

عثمان کا بڑا بیٹا علاؤالدین تھا۔ رسم کے بموجب اُسے ہی تخت کا مالک ہونا چاہیئے تھا۔ مگر عثمان نے اپنے دوسرے بیٹے اورخان کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

اورخان نے سب سے پہلے اندرونی انتظامات اور اصلاحات کی طرف توجہ کی۔ اس کے علاوہ یہ بہادر اور اولوالعزم انسان

نے اپنے باپ کی وصیّت کے بموجب فتوحات کے سلسلہ کو جاری رکھا۔
اس قابل جرنیل نے قسطنطنیہ کو فتح کرنے کا نیا منصوبہ تیار کیا۔ چنانچہ
اُس نے ۷۵۵ھ (1354ء) کو گیلی پولی پر قبضہ کر لیا۔ چونکہ دُرّہ
دانیال کے ساحل پر ایک نہایت مضبوط قلعہ تھا۔ اس قلعے کی فتح دو
وجوہات سے آسان ہو گئی تھی۔

(۱) قیصر رُوما کنٹا کو زین کی، اس قلعے کی دفاعی اہمیت کے متعلق
لاعلمی اور ساتھ ہی اُسے یہ خیال نہ تھا کہ ترک حملے کا یہ راستہ اختیار
کر لیں گے۔ اس دفاعی اصول سے لاپرواہی کرنے پر کئی سلطنتیں تباہ
ہو گئی ہیں۔ مثلاً بغدادی، جب سلجوقی حکمران کردوسیڈیوں سے اُلجھے
ہوئے تھے۔ تو مغلوں کے لیئے راستہ صاف تھا۔ لہٰذا وہ نہایت برق
رفتاری سے بغداد کی طرف بڑھے اور اُسے تباہ و برباد کر کے صاف
نکل گئے۔

محمود غزنوی نے سترہ بار ہندوستان پر اس لیئے کامیاب حملے
کئے۔ کیونکہ ہندو راجہ ایک بار بھی صحیح طور سے اندازہ نہ لگا سکے۔ کہ
محمود غزنوی کا دفاعی منصوبہ کیا ہے اور وہ کہاں پر اور کس رُخ سے
حملہ کرے گا۔

دوسرے لفظوں میں اس قلعے کو تُرکوں نے رُوما کی غفلت کی وجہ
سے آسانی سے فتح کر لیا۔

(۲) اس حملہ سے قبل دُرّہ دانیال میں زبردست زلزلہ آیا تھا جس

کی وجہ سے گیلی پولی قلعے کی فصیل بالکل تباہ ہوچکی تھی اور رروما کی فوج کے پاس کے عالم میں وہاں پر تھی۔ لہٰذا جب ترکوں نے حملہ کیا۔ تو انہوں نے معمولی سی لڑائی کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔ بہرحال گیلی پولی کی فتح سے اورخان کی دفاعی قابلیت اور سٹریٹیجی کے اُصولوں میں کمال رکھنے کا پتہ چلتا ہے۔

درۂ دانیال کی دفاعی حیثیت بیسویں صدی سے پہلے بہت اہم تھی۔ کیونکہ یہ علاقہ رُوس اور دُوسری مغربی طاقتوں کو یکجا ہونے سے روکتا رہا ہے۔ اس طرح سے ترکی کئی بار دول یورپ سے متحد ہوکر اپنے خلاف جارحانہ کارروائی سے بچا رہا۔ اس بحری راستے کے نہ ملنے سے رُوس کو ترکی پر حملہ کرنے کے لیئے خشکی پر بہت دُشوار گذار علاقے سے گزرنا پڑتا تھا

اس کے علاوہ بلقان کی ریاستیں، آسٹریا اور ہنگری کبھی بھی دل سے رُوس کی معاون نہ بن سکیں۔ رُوس کئی بار اُن کے علاقوں سے گذر کر ترکی پر حملہ آور ہوا۔ مگر ایک تو رُوس کے لیئے مالی طور پر یہ سودا مہنگا پڑتا تھا۔ دوسرے یورپ کے اور حکمران خصوصاً برطانیہ اور فرانس رُوس کے اقتدار کو بڑھتا ہوا دیکھنا گوارا نہ کرتے تھے اور ہمیشہ "طاقت کے توازن" کی آڑ لے کر رُوس کے مُنہ سے فتح کا نوالہ چھین لیتے تھے۔

ماضی قریب یعنی عالمگیر جنگ اوّل اور ثانی کے دوران میں درہ دانیال نے برطانیہ کے اتحادیوں کی سٹریٹیجی اور دفاعی منصوبوں کو بار بار بہت بڑی مشکلات میں ڈالا گو عارضی طور سے برطانوی اتحادیوں نے صرف چند سالوں کے

لیئے درۂ دانیال کو انٹرنیشنل بحری راستہ بنایا۔ مگر اتاترک نے اس دروازے کو صرف بند ہی نہیں کیا۔ بلکہ اس پر ترکی کی حکومت کا تالہ بھی ساتھ لگا دیا۔

مغرب پر اتاترک کا یہ بہت بڑا احسان ہے۔ کہ اس نے یہ راستہ بند کر کے مغربی سرمایہ داروں اور ان کی حکومتوں کو اشتراکی روس کی "پرامن" پیشقدمی سے بچا دیا۔

آجکل کے ایٹمی دور میں اس درۂ دانیال کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی۔ کیونکہ اس دروازے کے بند رہنے سے مغرب روسی بحری اور ہوائی بیڑے کے حملوں سے مامون ہے اور ان اقوام کے بحری دفاعی اور تجارتی راستوں کے ساتھ ہی ان کے ہوائی اڈے بھی امن سکون سے ہیں۔

درۂ دانیال کو فتح کر کے ترکوں نے عیسائی یورپ کی دہلیز پر قدم رکھا اور پھر اس کے قلعے کی شاہراہ کے دروازے پر قابض ہو گئے۔ اور اب ترک زبردست بحری بیڑہ نہ ہونے پر بھی قسطنطنیہ پر کامیابی سے حملہ کرنے کے قابل ہو گئے اور خان نے اس قلعے کو فتح کرنے کے بعد تھریس کے علاقے میں کئی اہم مقامات پر قبضہ کر کے مغربی سٹریٹیجی کی اصطلاح میں پہلے برج ہیڈ (BEIDGE HEAD) قائم کیا اور پھر اس کے گرد ونواع میں ایلبو روم (ELBOW ROOM) حاصل کر لیا۔

قیصر روم اب خواب غفلت سے چونکا۔ اور جو کام کہ وہ اپنے دفاعی

میں سے گذرتی ہے) کے کنارے کسی گاؤں میں گوشہ نشینی کی اجازت دے دی جائے۔

علاوہ ازیں یہ یاد رہے کہ عثمان اوّل نے اپنے بیٹے شہزادہ اورخان کی قیادت میں ایک لشکر جرار ان باغی امرا سے جنگ کرنے کو بھیجا تھا جنکو تاتاری (مغلوں) سے بڑی امداد پہنچی تھی مگر اس کے باوجود ان لوگوں کو شہزادے اورخان سے پے در پے شکستیں ہوئیں اور اس بہادر شہزادے نے اپنے باپ عثمان خان کے لئے بازنطینی سلطنت ایشیا کوچک کے کئی اہم قلعے یکے بعد دیگرے فتح کر کے عثمانی فتوحات کا دائرہ بحیرۂ اسود کے ساحل تک پھیلا دیا جس میں وہاں کا مشہور شہر مینی بھی تھا۔ جسے عثمان نے اپنا دارالسلطنت بنایا۔ اس کے بعد ۷۱۷ھ میں شہر بروصہ کا محاصرہ کیا جو ایشیا کوچک میں سلطنت بازنطینی کا نہایت اہم شہر تھا۔ یہ محاصرہ دس سال تک جاری رہا۔ بالآخر ۷۲۷ھ میں اہل قلعہ قیصر روم کے حکم سے ایک موقع پا کر نکل بھاگے اور اس طرح سے اپنی بچا لی۔ ترکی فوج شہر میں داخل ہو گئی۔

اورخان جب یہ خوشخبری لے کر باپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو باپ نے بیٹے کی ہمت اور شجاعت کی داد دے کر اس کو اپنا قائم مقام بنایا۔ لیکن افسوس ہے کہ عثمان نے اس وقت بہت بیمار تھا اس فتح کا مژدہ جانفزا بستر مرگ پر سنا۔ عثمان خان نے اورخان

کو یہ وصیت کی ۔ ظاہر و باطن ایک رکھنا۔ ہر کام میں خوفِ خدا اور مرضی مولا کا لحاظ رکھنا۔ لوگوں پر رحم کرنا۔ ادائے حقوق کے معاملے میں زور آور اور کمزور و ناتواں دونوں کو ایک نگاہ سے دیکھنا۔ قرآن اور سنت کو اپنا دستور العمل بنائے رکھنا۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں جدوجہد کرنا۔ اور احکام شریعت سے کبھی سرتابی نہ کرنا۔"

اس کے بعد یہ ہدایت کی کہ مجھ کو بروصہ ہی میں دفن کرنا۔ چنانچہ وصیت کے مطابق انتقال کے بعد بروصہ میں ہی دفن کیا گیا۔ اور ایک شاندار مقبرہ اس پر تعمیر ہوا۔ آل عثمان کی حکومت چھ سو تنتالیس سال رہی اس طویل مدت میں ۳۷ فرمانروا ہوئے۔ جن میں سلطان بایزید ثانی ۹۱۸ھ تک آٹھ فرمانروا سلاطین کہلاتے۔ پھر سلطان سلیم اول نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ تو اب یہ خود اور اس کے بعد تمام فرمانروایانِ عثمانی خلیفہ کہلانے لگے۔

عثمان خان کی وفات کے بعد بھی فتوحات کا سلسلہ نہیں رکا بلکہ اس نے بازنطینی حکومت کو ایشیا میں ختم کر کے اسلام کو یورپ میں فاتحانہ حیثیت سے داخل کرنے کی جو مہم شروع کی تھی اس کے لائق جانشینوں نے اس کے بعد بھی اس کو برابر کامیابی کے ساتھ جاری رکھا اور آخر کار انھیں اپنے مقاصد میں شاندار کامیابی ہوئی۔ چنانچہ عثمان خان کی وصیت کے مطابق اس کا بیٹا اورخان تخت سلطنت پر بیٹھا تو اس نے اندرونی انتظامات و اصلاحات کے علاوہ اپنی توجہ یورپ کی طرف مبذول رکھی۔

بوسینا، البانیہ، ولاچیا، ہنگری اور پولینڈ وغیرہ ریاستیں شامل تھیں۔ متحد و متفق ہو کر دو لاکھ فوج کیساتھ ترکوں کو یورپ سے نکال باہر کرنے کے ارادہ سے اقدام کیا۔ پاپائے روم نے روحانی اور مالی امداد دی اور بازنطینی حکومت بھی حوصلہ بڑھا یا گروہ بھی ان کے ایک فلینک (FLANK) کی نگرانی کرنے لگا۔

مراد اس وقت برصہ میں مقیم تھا۔ وہ بوڑھا ضرور ہوچکا تھا مگر اس کا عزم بلند تھا۔ لہذا وہ مقابلہ کے لئے فوراً روانہ ہوگیا۔ صحرا کسودا میں نہایت گھمسان کا رن پڑا۔ مراد کے بیٹے بایزید نے نہایت ہی قابلیت سے دشمن پر نہایت کاری ضربیں لگائیں۔ لہذا عیسائی اتحادیوں کو اس میدان جنگ میں بھی شدید ناکامی ہوئی۔

شاہ سربیا (لازار) گرفتار ہو کر سلطان کی خدمت میں جب پیش کیا گیا تو سلطان نے زار کی بار بار وعدہ شکنی اور غداری کے جرم میں اس کو قتل کرا دیا۔ شاہ بلغاریہ کو کیوں چھوڑ دیا گیا۔ تبصرہ کا محتاج نہیں۔ اغلباً بہن نے بھائی کی جان بخشی کرادی یا نکل بھاگنے میں مدد دی۔ تاریخ نے واضح طور پر اس پر روشنی نہیں ڈالی۔

اس جنگ کے بعد تھریس، مقدونیا اور جنوبی بلغاریہ

کے تمام علاقے دولتِ عثمانیہ کے مقبوضات میں شامل ہوگئے اور سربیا اور سینیا باج گذار ریاستیں بن گئی۔

سلطان مراد اسلامی روایات کے بموجب لڑائی کے بعد میدانِ جنگ میں زخمیوں کی دیکھ بھال کے لئے گیا تاکہ اپنے اور دشمن دونوں کے زخمیوں کی خود دیکھ بھال کرے اور یہ یقین کر لے کہ دشمن کے زخمیوں کے علاج و معالجے میں کوئی کمی نہیں ہے۔

سلطان ایک سردی زخمی کے قریب گیا جو بظاہر بہت بری طرح زخمی تھا۔ سلطان نے اُس کے فوری علاج کے لئے حکم دے کر جیسے ہی پیٹھ پھیری اس سپاہی نے سلطان پر زہر میں بجھے ہوئے خنجر سے حملہ کیا جو بہت کاری تھا۔ خنجر سلطان کی ریڑھ کی ہڈی میں سے گذرتا ہوا دل کے پار ہوگیا۔ لہٰذا سلطان کا چند روز کی تکلیف کے بعد انتقال ہوگیا، اور اس سانحہ پر جنگ کا خاتمہ ہوا۔

سلطان بایزید ایلدرم

جنگ کسووا میں سلطان بایزید ایلدرم نے غیر معمولی شجاعت و دلیری کا ثبوت دیا۔ دشمن کی فوج پر اس کے برق رفتار حملوں نے دشمن کے حوصلے پست کر دیئے۔ یہ حملے نہ صرف اچانک ہی تھے بلکہ دفاعی منصوبے کے لحاظ سے نہایت کامیاب تھے اس وجہ سے سلطان مراد نے اپنے بیٹے کو ایلدرم (بجلی) کا خطاب عطا کیا اور اس طرح حدیثی روایات کی پیروی کی

یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید رضؓ کو رومیوں کے
کے لاتعداد حملوں کا منہ توڑ جواب دینے پر "سیف اللہ" کا خطاب
عطا فرمایا تھا۔ لہذا باپ کے انتقال کے بعد بایزید ایلدرم کو
میدان کسودا میں ہی باتفاق امرا و ارکان سلطنت بحیثیت سلطان
تخت نشین کیا۔

ہمیں یہ تحریر کرتے ہوئے نہایت افسوس ہے کہ سلطان بایزید
ایلدرم نے تخت نشین ہوتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ اپنے نامور جنرل
چھوٹے بھائی یعقوب پاشا کو جس نے جنگ کسودا میں ایلدرم
کی مانند غیر معمولی دلیری اور جاں بازی کا ثبوت دیا تھا،
درباریوں کے پُر شرر منصوبے کے تحت محض اِس گمان
پر قتل کرا دیا کہ شہزادہ یعقوب پاشا کو تختِ سلطانی
حاصل کرنے کی آرزو ہے اور اس بنا پر اس کی طرف
سے حکومت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

آلِ عثمان میں بڑے بھائی کے ہاتھ سے محض تختِ
سلطانی کی خاطر چھوٹے بھائی کا یہ پہلا قتل تھا جو ان
کی پیشانی پر بدنامی کا داغ بن کر چمکا۔

بدقسمتی سے اس ناگوار واقعہ نے مستقل طور پر ایک
ایسی غیر مہذب رسم کی داغ بیل ڈال دی جو آلِ عثمان کے
لئے جیسے جیسے وقت گذرتا گیا۔ مہلک سے مہلک تر بنتی گئی۔

اِس داغِ رسوائی سے قطع نظر سلطان ایلدرم نے فتوحات کے سلسلے میں جو عظیم الشان کارنامے انجام دیئے ہیں وہ بے شبہ اسلام کی تاریخ فتوحات کا ایک بہت بڑا روشن باب ہیں۔ ایلدرم نے سربیا کے مقتول بادشاہ کے بعد اس کے بیٹے کو جانشین کیا اور خراج کی رقم سالانہ کے علاوہ یہ شرط رکھی کہ شاہ سربیا پانچ ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ ہر وقت سلطان کی خدمت کے لئے وقف رکھے گا۔ شاہ سربیا نے اس شرط کو بھی منظور کر لیا اور مزید اعتماد حاصل کرنے کے لئے اپنی حسین شہزادی ڈسپینا سلطان کے نکاح میں دیدی۔ اسطرح کئی اور امرا اور شہزادوں کے گھرانے یورپ کی مہ جبینوں سے منور ہو گئے۔ ترکی خون خلط ملط ہونے لگا۔ کیونکہ ان افسران کی رسم کی تقلید چھوٹے افسروں اور ترکی سپاہیوں نے کرنی شروع کر دی اور انہوں نے خوبصورت یورپی عیسائی لڑکیوں کو اپنا رفیقِ حیات بنا لیا۔

سربیا سے اس طرح تعلق استوار کرنے کے بعد سلطان ایلدرم قسطنطنیہ کی فتح کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ ایک طرف تو ایشائے کوچک (انطولیہ) کا مالک بن چکا تھا اور دوسری جانب یورپ میں قدم جمائے بیٹھا تھا مگر قسطنطنیہ ابھی اس کی گرفت سے باہر تھا اسے اپنے بزرگوں کی خواہشات کا علم تھا کہ قسطنطنیہ کا فاتح اہلِ جنت میں سے ہوگا" اس نے ایشائے کوچک کے ساحل پر ۱۳۸۹ء میں ایک قلعہ کی داغ بیل ڈالی جس کی

جسکی مدد سے وہ درّہ دانیال کے سمندری راستے پر بازنطینی بحری بیڑے کی نقل و حرکت میں دخل اندازی کرسکے۔ علاوہ ازیں اس منصوبے کی دوسری کڑی میں سلطان ایلدرم نے قیصر روم کو مجبور کیا کہ وہ ایک جدید عہدنامہ پر دستخط کرے جس سے قیصر کی رہی سہی عزت بھی خاک میں ملگئی۔ ایشیائے کوچک میں بازنطینی سلطنت کا صرف ایک مقبوضہ قلعہ فلاڈلفیا رہ گیا تھا۔ یہ قلعہ بازنطینی حکومت کی تجارت اور بحری بیڑے کے لئے اہم اڈہ تھا۔ اس معاہدہ کی روسے یہ قلعہ قیصر نے سلطان بایزید کے حوالے کردیا۔

لیکن اس سلسلہ میں ایک واقعہ انتہائی حیرت انگیز وقوع پذیر ہوا۔ قلعہ ڈلفیا معاہدہ کی روسے بایزید کا ہوچکا تھا۔ لیکن قلعہ کے یونانی افسر نے قیصر کا حکم ماننے اور بایزید کا اس پر قبضہ کرانے سے انکار کردیا۔ سلطان بایزید نے قیصر سے کہا کہ تم خود اپنی فوج بھیج کر قلعہ فتح کرو اور پھر اسے ہمارے قبضہ میں دیدو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ قیصر روم نے اسے پہلے فتح کیا اور پھر اسے بایزید کے حوالے کردیا۔ ظاہر ہے کہ دولت عثمانیہ کے سامنے بازنطینی حکومت کی بے بسی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی تھی؟ اسطرح اس قلعہ کو بھی سلطان ایلدرم کے سپرد کرکے ایشیا سے اپنی حکومت کے خاتمے کو قبول کرلیا۔

علاوہ ازیں قیصر روما (بازنطینی) حکومت کو ایلدرم نے مجبور کیا:۔

(۱) کہ وہ قسطنطنیہ میں ایک محلہ خاص مسلم آبادی کے لئے مخصوص کردے (۲) وہاں جامع مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دیدے (۳) ان مسلمانوں کے باہمی معاملات طے کرانے کے لئے مسلمان قاضی مقرر کردے (۴) قیصر روما عثمانی حکومت کو سالانہ خراج بھی ادا کرے۔

قیصر روما نے ان سب شرائط کو منظور کر لیا۔ قسطنطنیہ سے فارغ ہو کر ایلدرم نے 'ولاجیا' کی حکومت کو اُن کی شرارتوں کی سزا دینے کی بنا پر فتح کر کے عثمانی حکومت میں شامل کر لیا۔ ہنگری کے بادشاہ بحسمنڈ نے ایلدرم کی فتوحات سے ڈر کر فوجیں جمع کیں۔ اور وہ بوسینیا میں شاہ بوسینیا کا معاون بن کر آ گیا۔ بلغاریہ نے بھی اپنی فوجیں بوسینیا کی مدد کے لیئے بھیج دیں۔

اس جنگ سے فارغ ہو کر ایلدرم بلغاریہ کی طرف بڑھا۔ تاکہ اُس حکمران کو اُس کی وعدہ خلافی کی سزا دے۔ صرف تین ہفتوں کے مقابلے کے بعد بلغاریہ کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور ایلدرم نے 'بلغراڈ' پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد باقی ماندہ بلغاریہ کے علاقے کو عثمانی حکومت میں شامل کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی ایلدرم نے وہاں کے اسقف اعظم کو جلاوطن کر دیا۔ تاکہ وہ صلیبی جنگ کے لیئے فوجوں کے جمع کرنے کی ریشہ دوانیاں نہ کر سکے۔

وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول نہ کیا یا ذمی بننا گوارا نہ کیا اپنا وطن چھوڑ کر بھاگ گیئے۔ وہاں پر ایلدرم نے مسلم ترکی خانہ بدوشوں کو آباد کر دیا۔ اس عمل سے ایلدرم نے نہ صرف ہنگری کو فتح کرنے کے لیئے اپنا راستہ صاف کر لیا۔ بلکہ اب وہ اُس شاہراہ پر قابض ہو گیا۔ جس پر سے کئی صدیوں سے لاکھوں صلیبی لشکر اسلام کو مٹانے کی غرض سے یورپ کی طرف سے بڑھتے تھے۔ یہ ایسا زبردست منصوبہ تھا جس نے پوپ اعظم اور تمام یورپ کو

سہا دیا۔ مگر یہ یاد رہے کہ اُس وقت مسلمانوں کا ایک لشکر تیمور کے جھنڈے کے تلے ایشیا کو روندتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ بحرِ روم (متوسط) میں بہت سے جزائر مسلمانوں کے قبضے میں تھے شمالی افریقہ بھی مسلمانوں کے پاس تھا۔ فلسطین میں مسلمانوں نے صلیبیوں کا زبردست مستقر عکا پھر سے فتح کر لیا تھا۔

مسیحی یورپ کی ڈپلومیسی: عثمانی ترکوں کی مسلسل کامیابیوں نے یورپ کو اپنی خواب سے بیدار کر دیا۔ پوپ روما نے تمام یورپ کے بادشاہوں کو باہمی نفاق کو دور کرنے کے لیے اپیل کی۔ اور کروسیڈ کا اعلان کر دیا۔ پوپ کی اپیل پر تمام یورپ کے حکمرانوں کے اسقف اعظم اور پادریوں نے اس کام میں نہایت تن دہی سے کام کرنا شروع کر دیا۔

تیمور لنگ اور بایزید

ہمارے قیاس میں بایزید اور تیمور کے درمیان جنگ کی نوعیت اور اہمیت کا صرف اُسی وقت اندازہ لگایا جا سکتا ہے جبکہ ہم ترکی لشکر کے عظیم ترین دشمن سلطان تیمور کی شخصیت سے آشنا ہو جائیں۔ گو بظاہر یہ طرزِ عمل ہماری کتاب کے دائرے سے باہر نظر آتا ہے۔ لیکن اس تعارف کے بعد ہم صحیح طور پر یہ اندازہ لگا سکیں گے کہ ایلدرم جیسا جنگجو، فاتح اور نامور سالار کس وجہ سے مات کھا گیا اور اُس شخص کے کیا

نتائج نکلے؟

ہمیں یہ بھی پتہ لگانا ہے۔ کہ پوپ اعظم اور اُس کے حواریوں نے اپنے امن وامان کی خاطر دو طرف سے بڑھتے ہوئے اسلامی سیلاب کو کس آلہ حرب سے روک دیا جبکہ دونوں اسلامی فاتح لشکروں کے سپہ سالار تجربہ کار، اعلیٰ قابلیت، باعزم، جنگجو، فاتح اور با اقتدار سلاطین تھے۔ دونوں کا کم از کم دعویٰ یہ تھا کہ وہ خادم اسلام ہیں پھر میدانِ جنگ میں خون ریزی کیوں ہوئی اور دونوں سلاطین کی شخصیتوں میں کیا نمایاں فرق تھا؟

جنگ کا ہتھیار، پروپیگنڈہ

عام طور سے دنیا بھر کے زیادہ تر عوام پروپیگنڈے کے فن کو جرمنی کی ایجاد سمجھتے ہیں اور اُن کا یہ خیال ہے کہ پہلی جنگ عظیم میں اُس نے جنم لیا۔ ہٹلر اور گوبلز کے سایہ میں پل کر پروپیگنڈہ توانا اور جوان ہوا اور اب اس نوجوان کی عاشق زار دونوں اشتراکی اور سامراجی حکومتیں ہیں بہر حال اگر ہم اس بیان پر زیادہ اعتماد نہ بھی کریں۔ تو کم از کم یہ تو ہمیں ماننا پڑے گا۔ کہ زیادہ تر عوام میں اکثریت اُن لوگوں کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ پروپیگنڈے کا دوسرا نام غپ شپ اور مبالغہ آمیزی ہے اور چونکہ سانچ کو آنچ نہیں ہوتی اس وجہ سے سچائی پسند اتحادیوں کے مقابلے میں جھوٹا ہٹلر اور اُس کا پروپیگنڈا ناکام رہا! چونکہ ہم اس مسئلہ پر اپنی تصنیف کردہ کتابوں میں کئی بار تفصیل سے

بحث کر چکے ہیں۔ لہٰذا اس پر اب کوئی تبصرہ نہیں کریں گے۔

یہاں پر ہمیں یہ دیکھنا ہے۔ کہ عیسائی دُنیا بالعموم اور اہل یورپ نے بالخصوص کس آلۂ حرب سے اپنے حریفوں کی توجّہ کا رُخ بدلا۔ لُطف تو یہ ہے۔ کہ تیمور اپنے جدّ امجد چنگیز خان، قابلائی اور ہلاکو جیسے ماہرین علم دفاع کا قابل فخر جانشین تھا۔ مشرق اور مغرب کے ماہرین دفاع نے تیمور کو بہترین جرنیل تسلیم کیا ہے۔ اس پر بھی وہ اُسی آلۂ حرب کا شکار ہو گیا جس کا ماہر اُسے دُنیا تسلیم کر چکی ہے۔ اس مسئلہ کو ہم نے اپنی کتاب "تیمور بحیثیت جرنل" میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ مگر پھر بھی یہاں پر مختصر طور سے اس کا بیان لازمی ہے۔ کیونکہ جب ہم اس آلۂ حرب کی کامیابیوں پر سنجیدگی سے غور کرتے ہیں۔ تو بلا تامّل یہ ماننے پر مجبور ہوتے ہیں۔ کہ مُرتدّ اور دشمنانِ اسلام نے حضرت محمدؐ کے وصال کے وقت عرب و عجم میں اسی آلے کی مدد سے ایسا طوفان برپا کر دیا تھا۔ کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسلام ختم ہو جائے گا۔

اُن یہودیوں نے جو انتقام لینے کی خاطر مسلمان ہو گئے تھے۔ اسی آلۂ حرب پروپیگنڈے کی مدد سے صحابہؓ کرام کے درمیان رخنہ اندازی ڈالنے کی کوشش کی، چونکہ اُس وقت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، اور حضرت عثمانؓ جیسے باکمال صحابہ موجود تھے۔ لہٰذا اُس وقت اُن کی یہ کوشش اکارت گئی۔ مگر دشمنانِ اسلام اس

شکست پر بھی اپنی جدوجہد پر قائم رہے اور آخرکار مسلمان پہلے سنّی، شیعہ، اسماعیلیہ، وہابی وغیرہ جماعتوں میں منقسم ہوئے اور بعد ازاں قوموں اور نسلوں میں بٹ کر رہ گئے۔

چونکہ اللہ تعالےٰ کو مسلمانوں کو قائم رکھنا تھا۔ لہٰذا ہر کربلا کے بعد اسلام زندہ ہوا۔ اور خلافت راشدہ کے بعد ایک اسلامی حکومت اور خلیفہ کی حکومت رہی اور پھر کئی اسلامی حکومتیں قائم ہوتی چلی گئیں تیمور اور بایزید کا تصادم بھی اپنی نوعیت کی ایک کربلا تھی۔

پوپ کے نمائندے مغل دربار میں

۱۲۴۵ء میں پوپ نے اپنے نمائندے مغلوں کے دربار میں بھیج دئے اور یہ الحاق برابر قائم رہا چنانچہ جب تیمور نے اقتدار حاصل کر لیا تو روم کے پوپ نے تیمور کو یوں لکھا:-

"ہم ماضی میں تمہارے اُن بھائیوں کی جو ایران میں آکر آباد ہوئے، یاد کرتے آئے ہیں۔ اور اب ہم آپ کے سامنے جو کہ انہی نامور لوگوں کے خاندان میں سے ہیں مدد کے لیے اپنی جھولی پھیلا رہے ہیں ہمیں یقین ہے کہ آپ اپنی خاندانی روایات اور باہمی تعلقات کو از سر نو تازہ کر کے ان کو برقرار رکھیں گے ... ... وغیرہ"

فرانس کا چارلس ششم

شاہ چارلس ششم نے بھی فرانس اور اُن مغلوں کے باہمی دوستانہ اور خوشگوار تعلقات کو دُہرایا۔ یعنی وہ مغل جو ابا قہ ارغون غزان وغیرہ میں آکر آباد

ہوئے تھے۔ اُنھوں نے تیمور سے یہ درخواست کی کہ ظالم ورادو باش لڑکوں کے خلاف وہ اُن کی مدد کو آئے۔ کیونکہ شاہ چارلس، تیمور کو ایک محب اور مخلص دوست تصور کرتا ہے اور اس سے عملی طور سے امداد کی توقع رکھتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی شاہ چارلس نے اپنے سفیر کے ذریعے تیمور کے گوش گذار کیا، کہ بایزید سلطان تیمور کے خلاف اچھے ارادے نہیں رکھتا، کیونکہ تیمور کے غدار سرداروں کو بایزید نے پناہ دی ہے۔

ہسپانیہ کا بادشاہ ہنری سوئم آف کاسٹیل

ہسپانیہ کا سفیر کلیوی جو یورپ کے

دُوسرے سفرا کے ساتھ یورپ کے دربار میں موجود تھا۔ یہ سفیر اپنے فن کا ماہر تھا اور تیمور اس سے بہت خوش تھا۔ حتیٰ کہ ایک بار اُسے زنانہ محل کے دیکھنے کی اجازت دی گئی تھی جس کا ذکر اُس نے اپنی آپ بیتی میں تفصیل سے لکھا ہے۔ اس سفیر نے دوسرے سفرا کے ساتھ مل کر تیمور کو بایزید کے خلاف بھڑکایا اور کہا :۔

"یہ غلام زادہ بایزید اب آپ سے ٹکر لینی چاہتا ہے۔ لہٰذا اس نے آپ کے غدار اور مغرور مجرم سلطان احمد اور قرا یوسف ترکمان کو نہ صرف پناہ دی ہے۔ بلکہ اُن کو اعلیٰ رتبے دے کر اپنا مشیر بنا لیا ہے۔"

اینڈرم نے اپنے دفاعی منصوبے کے بموجب ایک بڑا لشکر

ہراول کے طور پر داغستان میں بھیج دیا ہے۔ چونکہ سلطان شرابی اور
عیاش ہے۔ اس لیئے ایسے دشمن کا سر کچلنے پر آپ اللہ کے یہاں
جزاؤ ثواب کے سزاوار ہوں گے۔ ۔۔۔ ۔۔۔ وغیرہ"

قیصر روما کا پیامبر ہندوستان میں

قیصر نے قسطنطنیہ سے ایک خاص ایلچی کے ہاتھ بہت سے قیمتی تحائف کے ہمراہ ایک مراسلہ تیمور کو بھیجا۔ اور تیمور کو یہ مراسلہ ہرفرار کے مقام پر موصول ہوا۔ قیصر نے اپنے خط میں ان الفاظ پر زور دیا :۔

۱۔ قیصر نے مغلوں کے ساتھ اپنے دیرینہ تعلقات کی یاد کو دہرایا، اور یہ بھی کہا کہ مغلوں نے اُس کے بزرگوں کے مسلم غلام خاندان کے حکمرانوں کے خلاف بہت نمایاں مدد کی تھی۔ لہٰذا اب میں آپ سے اپنے دشمن کے خلاف مدد کا خواستگار ہوں۔

۲۔ عیاش طبع ایلدرم بہت خود سر ہوگیا ہے اور اپنے بزرگوں اور میرے بزرگوں کے عہد ناموں کو چاک کر کے میری بربادی پر اس لیے تلا ہوا ہے۔ کہ پرانی خاندانی دوستی کی بنا پر میں آپ کی دوستی کا دم بھرتا ہوں اور میرے سفیروں نے اسے آپ کے غدار اور مجرم سردار سلطان احمد اور قرا یوسف ترکمان کو آپ کے پاس واپس لوٹانے کا مشورہ دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ وہ داغستان سے بطور پیش قدمی بھیجا ہوا اپنا لشکر واپس بلا لے۔ مگر اس نصیحت کا اُس پر اُلٹا اثر ہوا۔ اب وہ میرا جانی دشمن بن گیا ہے۔

۳۔ میرے بزرگ، خلفائے عباسیہ کے عہد سے مسلمانوں کی دوستی کا دم بھرتے رہے ہیں اور میں خود بھی اس روایت کو آپ کی دوستی کی بنا پر قائم رکھنا چاہتا ہوں۔

قیصر اس مراسلے کے روانہ کرنے کے بعد لندن اور پیرس گیا۔ تاکہ بایزید کے خلاف وہاں کے بادشاہوں سے مدد طلب کرے اس کے بعد وہ پوپ (روم) کے پاس بھی گیا جس نے کروسیڈ کا اعلان کر دیا۔

تیمور کی جبلی عادت

تیمور چونکہ ہر مہم سے پہلے قرآن مجید سے (استخارہ) کرنے کا عادی تھا۔ اس لیئے اس نے اس موقع پر بھی جب قرآن مجید کھولا۔ تو جہاد کے متعلق آیت نکلی۔ لہٰذا بعض مورخین کا خیال ہے۔ کہ تیمور نے ہندستان کی فتح کو ان وجوہات کی بنا پر نامکمل چھوڑا۔ ۔۔

۱۔ مشہور حدیث کہ قسطنطنیہ کا فاتح کوئی غازی مرد ہوگا۔ لہٰذا تیمور یہ نہ چاہتا تھا۔ کہ اس کی بجائے بایزید "مرد غازی" کہلائے۔

۲۔ ایلدرم نے نہ صرف تیمور کے مفرور سرداروں کو پناہ دی۔ بلکہ جب تیمور نے ایلدرم سے اُن کو واپس کرنے کے لیئے لکھا۔ تو ترکی سلطان نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔

پروپیگنڈے کے اثرات

(۱) قیصر روما۔ کلیسائے یونان۔ پوپ روما دریورپ کے کئی امرا

(نائٹ) اور یورپ کے بادشاہ، ایلدرم کے خلاف محاذ قائم کرنے پر تیار ہو گئے اور اس طرح سے سیاسی اور اخلاقی لحاظ سے مشرقی اور مغربی یورپ کی طاقتیں یکجا ہو گئیں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ فرانس اور برطانیہ میں عارضی صلح ہو گئی۔ لہٰذا ہر طرف سے صلیبی لشکر میدان جنگ کی طرف چل پڑے۔

۲۔ عیسائی حکومتوں نے مسلمانوں کی سب سے بڑی دو با اقتدار حکومتوں کو نفاق اور بغض میں مبتلا کر کے ایک دوسرے سے لڑوانے کا مکمل انتظام کر دیا۔

کروسیڈ کی وجہ اور سربیا کی آزادی

جب یورپ اخلاقی اور سیاسی لحاظ سے یکجا ہو گیا اور ان کو تیمور کی طرف سے خطرے کی بجائے مدد کی امید نظر آئی۔ تو انہوں نے سب سے پہلے ترکی حکومت کا خاتمہ کرنے کی فکر کی۔ اس منصوبہ کو ہر دلعزیز بنانے کی غرض سے یہ مشہور کیا کہ سربیا ترکوں سے غلامی کی نجات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور اس نے یورپ سے مدد کے لیئے التجا کی ہے۔ اسی لیئے پوپ نے لادینوں کے خلاف صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا ہے۔

امر واقعہ

اگرچہ مغربی مورخین نے اس کروسیڈ کی یہی وجہ لکھی ہے مگر امر واقعہ یہ ہے۔ کہ سربیا کا بادشاہ نہ صرف اپنے حلفِ وفاداری پر قائم رہا۔ بلکہ وہ نہایت ہی جاں نثاری اور

جانبازی سے سلطان کا معاون بن کر لڑا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر سربیا کا بادشاہ اور اس کا لشکر عزم اور دلیری سے کروسیڈی لشکر کی مدافعت نہ کرتا۔ تو ایلدرم کو بہت ہی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ کروسیڈی دستے سربیا کے علاقے میں داخل ہو گئے اور لوٹ مار کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ "شہر بیشتھ" کے مقام پر فرانسیسی جرمن اور ہنگری کی فوجوں کے ساتھ دوسرے صلیبی نائٹوں کا اجتماع ہوا اور یہ کروسیڈی سیلاب نانکوپولس کی طرف بڑھا۔

شہر نانکوپولس کا محاصرہ

وسطی یورپ کا یہ صلیبی لشکر جس کی تعداد ایک لاکھ کے برابر تھی ہنگری کے شہر بودا میں جمع ہوا اور ہنگری کے بادشاہ سجمنڈ نے اس لشکر کی قیادت سنبھال لی۔ یہ صلیبی لشکر سربیا کے چند قلعوں پر قابض ہونے کے بعد لوٹ مار کرتا ہوا نانکوپولس کی طرف بڑھا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ نانکوپولس کے قلعے کا حاکم بوعلان بے تھا۔ وہ باعزم اور قابل سالار تھا۔ لہٰذا اس نے اس قلعے کو آخری دم تک بچانے کی ٹھان لی۔

سلطان ایلدرم کو صلیبی لشکر کے اجتماع اور اس کے مظالم کی خبر جیسے ہی ملی۔ تو وہ نانکوپولس کے قلعے کے محاصرے کے سولھویں دن وہاں پہنچا۔

کروسیڈی لشکر کا اعلان

۱۳۹۲ء میں جب سجمنڈ نے فرانس کے شہنشاہ فرانس سے مدد کے

لیے استدعا کی تو شہنشاہ فرانس نے اپنے اکلوتے بیٹے بہادر فلپ آف برگنڈی" اور کاؤنٹ ڈی نیورز" اور فرانس کے مشہور جنگ آزمودہ اُمرا اور کئی ہزار نائٹوں کو شاہ ہنگری کی مدد کے لیئے بھیجا۔ فرانسیسی اور جرمن نائٹوں کے علاوہ شاہ ہنگری کی اپنی فوج ساٹھ ہزار تھی۔ اس بڑے اجتماع کی بنا پر فرانسیسی نائٹوں نے غرور اور گھمنڈ میں یہ الفاظ کہے تھے "کہ اگر اس وقت آسمان بھی ہم پر گر پڑے۔ تو ہم اُسے اپنے نیزوں پر سنبھال لیں گے۔" چونکہ اُن کے قیاس سے اتنی بڑی فوج سے ترکوں کو شکست فاش دینا بہت آسان کام تھا۔ لہٰذا انہوں نے یہ اعلان کیا۔ کہ وہ ترکوں کو نہ صرف یورپ سے نکال دیں گے۔ بلکہ تمام ایشیائے کوچک اور شام سے مسلمانوں کو نکال کر متقدس مقامات پر پھر سے قبضہ کر لیں گے۔"

سجمنڈ کا دفاعی منصوبہ شاہ سجمنڈ نے جب سلطان ایلدرم کی فوج کو نائکوپلس کے قریب جمع دیکھا۔ تو اُس نے فرانسیسی اور جرمن جنگجو امرا اور نائٹوں سے نظم و ضبط سے لڑنے کے لیئے کہا اور اُن سے یہ کہا کہ جس طرح وہ حکم دے۔ وہ اس کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے اُس کے احکام کی تعمیل کریں۔ مگر اپنی طاقت کے گھمنڈ میں ان نائٹوں کا سر پھر گیا ہوا تھا۔ اور انہوں نے عجلت میں ترکی رسالے پر حملہ کر دیا اور وہ درحقیقت اُن حربی اُصولوں پر عمل کرنے لگے۔ جو کہ وہ اپنے ملک کے چھوٹے چھوٹے باغی اُمرا یا اسی قسم کے

دشمنوں کے خلاف استعمال کرتے تھے۔ اس کے برعکس ہمنڈ کا دفاعی منصوبہ یہ تھا کہ نائٹ بجائے حملہ آور ہونے کے اس وقت تک انتظار کریں۔ جب تک ترک اپنی جاں نثار دستوں سے اُن پر حملہ کریں۔ جیسے ہی ترک جاں نثار لشکر منظم طریقے سے اُن پر حملہ آور ہو۔ نائٹ ترکوں پر چاروں طرف حملہ کر کے اُن کو تباہ کر دیں اور جس وقت ترکی رسالہ اپنے "جاں نثاروں" کی مدد پر آئے۔ تو ہنگری کا لشکر ترکی رسالے پر جوابی حملہ کرے مگر فرانسیسی اور جرمن نائٹ اپنے آپ کو ہنگری کے لشکر سے بہت افضل سمجھتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے ہمنڈ کی بات نہ مانی۔

جونہی نائٹوں نے ترکی رسالے پر حملہ کیا، ترکی شہسوار آہستہ آہستہ پسپائی کرتے ہوئے یورپ کے نائٹوں کو اپنے تعاقب میں باقی لشکر سے ہٹا کر بہت دُور لے گئے۔ ترک شہسوار برق رفتار گھوڑوں پر سوار تھے اس لیے بھاری زرہ بکتر سے لدے ہوئے نائٹ اُن کی گرد کو بھی نہ پا سکتے تھے۔ اس معذوری نے نائٹوں کو غصے سے دیوانہ بنا دیا۔ لہٰذا سب نائٹ ترک شہسواروں کا تعاقب کرتے ہوئے تتر بتر ہو گئے۔ جن کو ترک شہسواروں نے گھیر گھیر کر ہلاک کر دیا۔

عین اس وقت ترکی پیدل پلٹن اور جاں نثار دستے نے ہنگری کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ تو اُس کی مدد کے لیے باقیماندہ صلیبی لشکر بھی ترکوں کے مقابلہ کے لیے آگے بڑھا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر سربیا کے لشکر نے جب صلیبیوں پر عقب سے اچانک حملہ کر دیا تو اُن کے پاؤں اُکھڑ

گیے۔ کونٹ ڈبنوز پکڑا گیا اور شاہ ہمنڈ بڑی ہی مشکل سے کشتی پہ سوار ہو کر دریائے ڈنیوب کے پار چلا گیا اور اس طرح سے بچ گیا۔ مگر صلیبی اور ہنگری کے لشکریوں کے کشتوں کے پشتے لگ گیے۔

اسباق عبرت

سب سے نمایاں سبق تو یہ ہے۔ کہ اتحادی فوج قائم کرتے وقت پہلے کر لینا ضروری ہے۔ کہ متحدہ لشکر کا سپہ سالار کون ہوگا۔ اور سب اتحادیوں کے لشکروں کے سپہ سالار اُس کے حکم کے تابع ہونگے۔ صلیبی لشکروں نے بار بار اسلامی لشکروں سے صرف اس وجہ شکستیں کھائیں کہ صلیبی لشکر کے مختلف ممالک کے سپہ سالاروں میں یکجہتی نہ تھی۔

(۲) تکبر، گھمنڈ اور قومی وقار کا شکار ہو کر یورپ کے عظیم ترین اور کثیر تعداد لشکر اپنے سے چھوٹے اسلامی لشکروں سے شکست پر شکست کھاتے رہے۔

۳۔ اتحادی لشکروں کے سپہ سالاروں میں فن حرب کے اصولوں کے استعمال میں اتفاق رائے کا ہونا اشد ضروری تھا۔ لیکن ان میں اتفاق مفقود تھا۔

۴۔ لڑنے اور قیمتی ہتھیار جب بھاری ہونے کے باعث لڑنے والے کی نقل و حرکت کو محدود کر دیتے ہیں۔ تو ان کا حریف چابکدستی سے نقل و حرکت کی بنا پر اپنے دشمن پر حاوی ہو جاتا ہے۔ اپنی چابکدستی کی وجہ سے پٹھان تقریباً دو سو سال برطانوی لشکر کو پریشان کرتے رہے۔

آسٹریا۔ ولاچیا۔ ہنگری اور یونان

نانکوپولس کی فتح کے بعد ایلدرم نے کئی لشکر روانہ کر کے ان علاقوں میں اس لیئے غارتگری کی کہ وہاں کے عوام کو بار بار وعدہ خلافی کرنے کی سزا دے۔ چنانچہ اس طرح سزا دینے کے بعد سلطان نے ان علاقوں کو باجگزار بنا لیا۔ پھر یونان کی طرف ایلدرم نے خاص توجہ کی۔ تھلی، لوکریس، فوسیس اور ڈوریس تو اُس نے اپنی حکومت میں شامل کر ہی لیئے مگر اُدھر خاکنائے کورنتھ اور موریا کے علاقوں کو اُس کے لشکروں نے جب روند ڈالا۔ تو ایلدرم نے موریا سے تیس ہزار یونانی خاندان ایشیائے کوچک میں منتقل کر کے اُن کی جگہ ترکی خاندان وہاں پر آباد کر دئے۔ اس طرح سے اُس نے اپنے دشمنوں کے علاقے میں ترک آباد کر کے وہاں سے آئے دن کے فسادات کو ختم کرنے کے منصوبے پر عمل کیا۔

ایلدرم قسطنطنیہ کی طرف

یونان میں نظم قائم کرنے کے بعد سلطان قسطنطنیہ کی طرف بڑھا اور قیصر کے پاس یہ پیغام بھیجا۔ کہ فوراً ہتھیار ڈال کر تخت سے دست بردار ہو جائے۔ قیصر نے ایلدرم کے اس پیغام کو ماننے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ اُس کو سفیروں سے اطلاع مل چکی تھی۔ کہ تیمور قیصر روما کی مدد کو آ رہا ہے۔ لہٰذا یورپ کے صلیبی لشکر اب سمندر کے راستے سے قسطنطنیہ آنے شروع ہو گئے۔

بایزید کا کردار ڈلا زوں کیر کے قلم سے

شہزادہ یعقوب کو پھانسی

مُراد نے مشکل سے اپنا آخری سانس ختم کیا ہو گا کہ فوج نے اس کے بڑے بیٹے بایزید کو جس کی اعلےٰ بہادری نے اس کے لیئے ایلدرم (بجلی) کا خطاب حاصل کر لیا تھا۔ بادشاہ بنا دیا۔ نئے بادشاہ نے اپنی حکومت کی ابتدا اپنے بھائی یعقوب کے قتل سے کی۔ وُہ اپنی عظمت کے اس رقیب کو سپاہیوں کی محبت میں برابر کا حصے دار ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کے دل میں یہ خطرہ پیدا ہوا کہ ممکن ہے یعقوب تخت کو قبضہ میں لانے کی کوشش کرے۔ ساتھ ہی اس کو اُورخان کا واقعہ یاد آ گیا جس میں بڑے بھائی پر چھوٹے بھائی کو ترجیح دی گئی تھی۔ چنانچہ اس نے نوجوان شہزادہ کو کمان کی زہ سے پھانسی دے کر مار ڈالا۔ پھانسی کا یہ طریقہ احترام اور اعزاز کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ اور صرف اکابر ملک کے لیئے مخصوص تھا۔ ان کے دُنیاوی احترام اور اعزاز کی یہ آخری علامت تھی جس طرح کہ پہلے یورپ میں صرف شرفا کو یہ حق حاصل تھا کہ ان کی گردن اُڑا دی جائے۔

مثال قائم ہو گئی

ایلدرم کا یہ فعل پھل لا کر رہا۔ اس کے تمام جانشینوں نے اس کی پیروی کی اور سلاطین کے بھائیوں کی ہلاکت بحراست سلطنت کا قانون بن گئی۔ جب کسی

رکھتا تھا۔" یکایک" سلطان کو اطلاع ملی کہ مغلوں نے اس کے علاقے پر حملہ کر دیا ہے ۔ اس کی افواج تباہ ہو گئی ہیں ۔ سواس فاتح کے قبضے میں آ کر خون میں ڈبو دیا گیا ہے اور اس کا بیٹا ارطغرل عین لڑائی کے وقت گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا ہے ۔ اس شور و شغب کو سن کر شیر نے انگڑائی لی اور اپنی تمام فوجوں کو جمع کر کے بایزید نے فتحمند تاتاری کا مقابلہ کیا اور انقرہ کے میدان میں لڑائی واقع ہوئی۔

ولاٹون کے بیان میں چند اہم نکات

۱۔ "یکایک سلطان کو اطلاع ملی"۔ اگر سلطان باخبر ہوتا تو یکایک خبر ملنے کا سوال ہی نہ ہوتا اور بجائے یورپ کے علاقے کو تاخت و تاراج کرنے اور رقص و عشرت میں مشغول ہونے کے تیمور کے مقابلے کے لیئے تیاری میں مشغول ہوتا۔

۲۔ شور و شغب کو سن کر ...... انگڑائی لی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان نے مے نوشی کا کس قدر قیمتی وقت ضائع کیا اور وہ اس وقت بیدار ہوا۔ جبکہ تیمور ایشیائے کوچک اور شام کو اچھی طرح سے روند چکا تھا۔ تاکہ تیمور سے عقب سے کوئی حملہ آور نہ ہو سکے۔

تیمور لنگ سے تعارف

اب ہم بایزید کے مقابل تیمور لنگ کی شخصیت سے آپ کا تعارف مختلف مورخین کے قلم سے کرانا مناسب سمجھتے ہیں مشہور برطانوی

مورخ ڈاکٹر ٹی ۔ ملر میگوائر (MILLER MAGUIRE) نے اپنی کتاب "ملٹری جغرافی" میں اس طرح بیان کیا ہے :-

"تاتاری یا مغل اقوام میں سے تیمور لنگ کے مقابلے کا دوسرا کوئی فوجی زیادہ نامور نہیں گذرا ہے۔ تیمور ۱۳۳۶ء میں شہر سمرقند کے قریب پیدا ہوا۔ اسکا باپ فارغائی بہت پارسا اور عالم تھا۔ اس لئے اس نے اپنے بیٹے کو بھی اسلامی تعلیم بہترین فاضل علماء سے دلوائی جب تیمور نے تعلیمات قرآنی۔ سپاہ گری، شاہسواری اور حربی و دفاعی تعلیم میں یکتائی حاصل کرلی۔ تو تیمور اپنے علاقے کی دائیں مہموں میں نمایاں حصہ لینے لگا۔"

یہ مقامی لڑائیاں صرف عارضی طور سے چنگیز خان اور اس کے قابل جانشینوں کی زندگیوں تک ہی عارضی طور سے بند رہی تھیں۔ تیمور نے خاصے لمبے عرصہ تک بادہ پیمائی کی اور جگہ جگہ مارا مارا پھرتا رہا۔ اور اس کی زندگی میں مستقل طور سے بطور فاتح اس وقت تبدیلی ہوئی۔ جبکہ اس نے سمرقند فتح کرلیا۔ شہر سیستان کے قریب میدان جنگ میں وہ ایسا زخمی ہوا۔ کہ عمر بھر کے لئے لنگڑا ہو گیا۔

تیمور نے کاشغر کے خان کو شکست دے کر اس کے علاقے پر قبضہ کرلیا۔ اب وہ اپنے سالے حسن کے خلاف جو بلخ کے قلعہ کا والی تھا۔ بڑھا اور قلعے کو فتح کر کے اسے مع محصورین کے وہیں جلا کر خاک کر دیا۔ ۱۳۶۷ء میں وہ چغتائی سلطان کی حیثیت سے تخت نشین ہوا۔ اور

سمرقند کو اس نے اپنا دارالخلافہ بنایا۔ ۱۳۷۰ء میں اس نے بتدریج
کاشغر، خراسان، تاشقند اور ہرات کو فتح کیا۔ انہی سالوں میں تیمور
اور اس کے سپہ سالاروں نے سیستان، افغانستان اور ختن کو فتح کیا۔
۱۳۸۴ء میں استرخان کو فتح کرنے کے واسطے اس مقام پر کچھ دیر
سستانے کے لیے ٹھہر گیا۔ اس کے بعد وہ ملک فتح کرنے کے لیے
چل نکلا اور اس نے جارجیا، کرس، طفلس کو یکے بعد دیگرے فتح کر لیا۔
۱۳۸۷ء میں تیمور نے اصفہان کو تباہ و برباد کر دیا اور یہاں سے فراغت
پا کر اس نے دوسرے سال تمام تاتاریوں کو اپنے علاقے سے نکال کر
اطمینان کا سانس لیا۔

۱۳۹۲ء میں تیمور توکتامیش خان کو شکست دے کر اس کے تخت
پر شہر سرائے میں متمکن ہوا۔ اگر تیموران اور جنگجو خانوں کو قتل اور ان
کے اقتدار کا خاتمہ نہ کر دیتا تو "زار روس" کی سلطنت ان کی جگہ نشوونما
نہ پا سکتی اور جنوب مشرقی یورپ میں صلیب کی جگہ ہلالی چاند کا نشان
ہر جگہ لہرایا۔ گو روس کی جنگ میں تیمور کے لشکر کو کافی جانی نقصان پہنچا۔
مگر جیسے ہی وہ پانچ سال کے عرصہ کی غیر حاضری کے بعد سمرقند میں پہنچا۔
تو اس کا لشکر نئے رنگروٹوں سے پھر بھر گیا۔ اس لشکر کو اپنے ہمراہ لے کر
وہ ہندوستان کو فتح کرنے کے لیے چل نکلا۔

۱۳۹۶ء میں تیمور نے سمرقند میں نہایت ہی شاندار مسجد تعمیر
کروائی اور ۱۴۰۲ء میں وہ عثمانیہ سلطنت کو مٹانے کے لیے ایشیائے

کوچک کی طرف بڑھا۔ اس نامور فاتح کی سوانحعمری اور جنگی حالات کا جب موجودہ زمانے کی بدترین سٹرٹیجی پر تصنیف کردہ کتابوں، رسالوں اور میگزینوں کے مضامین کا مقابلہ کرتے ہیں۔ تو ہمیں اس دورِ حاضر

کے ماہرین ملٹری سائنس سے کوئی نئی بات نہیں ملتی اور ہم پہ یہ بات واضح اور ثابت ہو جاتی ہے۔ کہ پلاٹو (سقراط) کا فلسفہ کہ "دفاعی تاریخ اپنے اوراق بار بار دہراتی ہے" اس وقت بھی ویسا ہی صحیح ہے جیسا کہ کئی صدیاں پہلے سقراط نے بیان کیا تھا۔

ڈاکٹر ہینڈرسن پیمبرک کالج کیمرج لکھتے ہیں:۔

"تیمور کو لالچ، رشوت یا طمع سے اپنے دشمن کو خرید لینے میں کمال حاصل تھا۔ وہ اُن میں عناد اور آپس میں پھوٹ ڈلوانے میں کمال کا درجہ رکھتا تھا اور اس طرح سے وہ اُن کو آسانی سے زیر کر لیتا تھا۔ اُس کے دشمن تیمور کے دفاعی منصوبوں سے بالکل بے خبر رہتے تھے۔ اُن کو کبھی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اب وہ کیا کریگا اور کب کرے گا اور کس پہ آفت ڈھائے گا"

مگر جب ہم تیمور کی نجی اور گھریلو زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو اُسے نیک سیرت۔ خدا ترس اور باوقار آدمی پاتے ہیں۔ اُس کا عزم بہت ہی مستحکم تھا۔

زیادہ تر مسلم مورخین اور دیگر مورخین مذکورہ بالا خیالات کی

ہمنوائی کرتے ہیں۔ اور سب اس بات پر متفق ہیں۔ کہ وہ بے حد نڈر، جفاکش اور عاقل تھا۔ وہ سیاسی وجوہات پر بہت شان و شوکت کا اظہار بھی کرتا تھا جشن مناتا تھا۔ مگر یہ تھوڑے عرصے کے لیئے ہوتے تھے۔ اور وہ اس سے فراغت پاتے ہی اپنے خیمے کی زندگی کو ترجیح دیتا تھا۔

تنبیہات ۱۔ ہمیں یہاں پر یہ سبق حاصل کرنا ہے کہ ایسا عاقل، دانش مند، خدا پرست اور نیک سیرت انسان بھی پروپیگنڈہ کا شکار ہو گیا۔ اور اس نے بعض اوقات ایسے راستے اختیار کیئے جو کہ اسلامی روایات و تعلیمات کے متضاد تھے۔

۲۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے۔ کہ پروپیگنڈہ نیا آلہ حرب نہیں ہے۔ اور وہ ہزارہا بار مؤثر بن چکا ہے۔ لہٰذا ہر قوم اور ہر فرد کو اس سے خبردار رہنا چاہیئے۔

آلِ عثمان کی زندگی اور موت سے کشمکش

تیمور انگورہ کی جانب قیصر کی درخواست پر تیمور سرحد وار سے دہلی، ملتان، کشمیر کے پہاڑوں میں سے گذرتا ہوا افغانستان پہنچا۔ وہاں سے سمرقند گیا۔ جہاں پر کچھ عرصہ قیام

کے بعد ایران کے پہاڑی علاقے میں سے ہوتا ہوا سیواس کے قریب پہنچا۔

تیمور کا خط

تیمور نے ایلدرم کے پاس اُس وقت سفیر بھیجا جبکہ وہ ایلدرم کے ملک میں گھس چکا تھا خط کا مضمون یہ تھا:۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے دُنیا کے سات بڑے ممالک کے بے شمار بادشاہوں اور حکمرانوں پر مجھے فتحمندی بخشی ہے اور دُنیا کے بیشتر بادشاہ اور شاہزادے رب العزت کی مدد سے مجھے اپنا امیر سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ سے میری التجا ہمیشہ یہی رہی ہے۔ کہ وہ مجھ ناچیز بندے کو غیر دانش مندانہ حرکات و سکنات پر عمل کرنے سے بچائے اور اعتدال کے حدود سے باہر جانے سے روکے۔ گو تم اپنے حسب و نسب کو بھول چکے ہو لیکن تمام دُنیا کو اس کا علم ہے۔"

(تنبیہ) بعض حلقوں میں مشہور تھا۔ کہ ارطغرل کا باپ ایک ترکمانی ملاح تھا اور درحقیقت وہ شاہی نسل سے نہ تھا۔ اس قسم کے الزامات اور قصے مشرق میں ہر زمانے میں اس لیئے تراشے گیے تاکہ ایک فاتح باوقار شخص کی ہردلعزیزی یا کامیابی کو نقصان پہنچایا جائے۔ لہٰذا تیمور کا اس قسم کے قصوں کا شکار ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ (مصنف)

"لہٰذا تم پر واجب ہے۔ کہ تم اپنی حیثیت سے آگے نہ بڑھو۔ اور خیالی خوابوں کا شکار بن کر ایسا اقدام نہ کرو۔ جو کہ تمہیں بربادی کے غار کی طرف گھسیٹ کر لے جائے۔ لہٰذا تم اپنے بدخواہوں کے کہنے پر عمل نہ کر کے عناد کی آگ سے بچو۔ وہ لوگ یہاں سے مفرور ہو کر تمہارے پاس پناہ گزیں ہوئے ہیں۔ اُن کا آخری وقت اب آچکا ہے۔ اُن کے مشورے پر عمل کر کے تم اپنی حکومت کو تباہی کے ایسے گہرے غار کی طرف لے جاؤ گے۔ جہاں سے تمہاری نجات ناممکن ہے۔ لہٰذا تمہاری بہتری اسی میں ہے۔ کہ تم قرا یوسف ترکمان اور سلطان احمد کو میرے حوالے کر کے اپنی بربادی کو سوتا ہی رہنے دو۔ اور اگر تم نے میرے مشورے کو نہ مانا۔ تو تمہارا وہی حشر ہوگا۔ جو اُن لشکروں کا ہوا۔ جنہوں نے میرا مقابلہ کرنیکی جرأت کی۔"

آلِ عُثمان زوال کی جانب

ایلدرم کا جواب

سلطان کے مشیروں نے تیمور سے سمجھوتے کے لیئے مشورہ دیا۔ اور اپنے وزیراعظم کی بے انتہا کوشش کے باوجود بایزید نے تیمور سے لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور حالات کی نزاکت نہ پہچانا۔

انقرہ کی لڑائی اور تیمور کی پیشقدمی

ایلدرم جس وقت قسطنطنیہ

کے محاصرے میں مشغول تھا تیمور آگے بڑھا ۱۴۰۰ء میں اس نے سیواس کا محاصرہ کرلیا۔ ایلدرم کے بڑے بیٹے شہزادہ ارطغرل نے بہت بہادری سے تیمور کا مقابلہ کیا مگر لڑائی میں کام آیا۔ سیواس جب فتح ہوگیا تو تیمور نے وہاں کے چار ہزار ترک سپاہیوں کو اس لیئے زندہ درگور کردیا کہ تمام علاقے میں تیمور کے نام سے دہشت پھیل جائے۔ اس خبر کے سنتے ہی ایلدرم قسطنطنیہ کا محاصرہ اٹھا کر سیواس کی طرف بڑھا۔ اس کامیابی کے بعد تیمور حلب اور دمشق کی طرف بڑھا اور ان کو فتح کرلیا۔ علاوہ ازیں اس نے ایک لشکر بغداد روانہ کیا۔ جو اس شہر کو فتح کرکے واپس آگیا۔ اب تیمور اور ایلدرم کی فوجیں انگورہ شہر (انقرہ) کے قریب میدان میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئیں۔

تیمور کی فوج تیمور کے ساتھ مسلم مورخین کے بموجب کم از کم دو لاکھ فوج تھی۔ جو رسالہ، پلٹن اور توپ خانہ میں منظم تھی۔ تیمور نے ہندوستان سے اپنی توپوں کے لیئے کئی ہاتھی لیئے تھے۔ اور وہ ہند سے کئی جنگجو ہاتھی بھی اپنے ہمراہ بایزید سے لڑنے کے لیئے لایا تھا۔

تیموری فوج رسالوں۔ پلٹنوں اور ڈویژنوں میں منظم کی گئی تھی۔ اور اس کی فوج کو بہت ہی منظم، جفاکش اور یک جہتی سے لڑنا سکھلایا تھا اور اسے اپنی فوج اور اس کے سالاروں پر اعتماد تھا۔

تیمور کا دفاعی منصوبہ تیمور نے اپنے لشکر کو نقشہ (A - 47) کے

بموجب میدان جنگ میں آراستہ کیا ہوا تھا۔ تیمور کا مقصد یہ تھا۔ کہ وہ اپنے رسالے کے دستوں سے مسلسل حملے کر کے اپنے دشمن میں جب انتشار پیدا کر دے۔ تو پھر شاہی محافظ اور محفوظ دستوں سے دشمن پر حملہ کر کے اُسے شکست دے دے۔

انگورہ کی لڑائی دوپہر تک جب لڑائی شروع ہوئی میران شاہ اور امیرزادہ سلطان کے آٹھ ڈویژنوں نے تیمور کے حکم کے بموجب اپنے دستوں سے اٹھارہ بار مسلسل حملے کیئے۔ مگر ان حملوں کا ترکوں نے مُنہ توڑ جواب دیا۔

دوپہر کے بعد تیمور نے میران شاہ اور امیرزادہ سلطان محمود کو حکم دیا۔ کہ پاسبانوں کے دستوں سمیت میران شاہ دائیں اور پیچھے کی طرف اور سلطان محمود بائیں اور پیچھے کی طرف منظم طریقے سے پسپائی کر کے مقررہ مقام پر جب پہنچ جائیں۔ تو وہاں پر نہایت عزم کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کریں۔ اس پسپائی سے دُشمن کو اپنی جگہ سے نکال کر اُن میں انتشار پھیلانا مقصود تھا۔ تاکہ تُرک اس نقلی پسپائی کو ایک اصلی شکست کا آغاز سمجھ کر ہلّہ بول دیں۔ اگر ترکوں نے ایسا کیا۔ تو تمام سالار سلطان تیمور کے حکم کے منتظر رہیں۔ جب اللہ اکبر کے نعرے کو سُنیں تو سمجھ لیں۔ کہ تیموری لشکر جوابی حملہ کر رہا ہے۔

ایلدرم نے اپنی تُرکی فوج کی تقریباً وہی ترتیب دی تھی جو کہ اُس

نے یورپی اتحادی صلیبی لشکر کے مقابلے میں نہایت خوبی سے دی تھی۔ چنانچہ جب مغلوں کے رسالے نے مسلسل اور بار بار حملے کیئے۔ تو اُن کے مُنہ کو ترکی تیراندازوں اور توپ خانے نے لوٹا دیا۔ ایلدرم نے ترکی سالاروں کو حکم دے دیا تھا۔ کہ جوابی حملے کا حکم وہ خود دے گا اور جس کے لیئے وہ اس کے حکم کا انتظار کریں۔ یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ گو ایلدرم نے صلیبی لشکروں کو شکست فاش دے دی تھی۔ اور قسطنطنیہ کا قیصر روما کمزور تھا۔ مگر ایلدرم نے کافی جنگ آزمودہ اور جنگجو فوج وہاں چھوڑ دی۔ لہٰذا وہ وہاں سے ینی چری، عذب، علوفہ جی، کچھ حصّہ غربا۔ مسلمان اور افنجی لے کر یورپ سے ایشیائے کوچک آیا۔ تاکہ وہاں سے مقامی جاگیردار اور عذب اور غربا کے دستے حاصل کر لے گا۔ اس لیئے ایلدرم تقریبًا ساٹھ ہزار فوج لے کر انقرہ کی طرف روانہ ہوا اور جب وہ انقرہ کے میدان جنگ میں پہنچا۔ تو اُس کی کل فوج تقریبًا دو لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ مقامی جاگیردار اور غربا اور مسلمان دستے خاص کر اَیدین، مُنتیشن، سُرو خان، اور کرمیانہ کی فوجوں کے کئی سرداروں نے تیمور سے رشوت قبول کر لی تھی۔ لہٰذا وہ صرف اُس موقع کے منتظر تھے۔ جبکہ وہ ایلدرم کو چھوڑ کر تیمور کے لشکر سے جا ملیں گے۔ دوپہر کے قبل تک یہ لوگ بھی بظاہر مستعدی اور جانفشانی سے لڑے۔

جیسے ہی مغلوں نے پسپائی شروع کی۔ تو غدّار اور ناتجربہ کار ترکی سرداروں نے ایلدرم کے حکم ملنے کے بغیر پیشقدمی کا بگل بجا دیا۔ اس

طرح سے درحقیقت ترکی فوج کے غدّار افسروں کو اپنی فوج سے علیحدہ ہو کر مغلوں کی فوج سے ملنے کا بہانہ اور ذریعہ مل گیا۔ باقیماندہ ترکی فوج کے بہت بڑے حصّے نے غلطی سے یہ سمجھا کہ مغلوں پر جوابی حملہ کرنے کا حکم مل گیا ہے۔ صرف بن جیری اور وہ فوجی دستے جو سربیا سے ایلدرم کے ہمراہ آئے ثابت قدم رہے۔ مگر اس انتشار میں ایلدرم کا دفاعی منصوبہ درہم برہم ہو گیا۔ خصوصاً توپ خانہ اور تیر اندازوں کی جماعتیں جنہوں نے مغلوں کے رسالوں کے منہ پھیر دئے تھے۔ اب اُن کا نظام بگڑ گیا تھا۔

وہ تُرکی دستے جو آگے بڑھے۔ تیمور کے توپ خانے اور تیر اندازوں کے اُن دستوں کی زد میں آئے۔ جو سلطان تیمور نے اپنے ہاتھ میں بطور محفوظ (ریزرو) رکھے ہوئے تھے۔ لہٰذا تیروں اور توپوں کے گولوں کی بوچھاڑ اچانک تھی۔

تیمور کا جوابی حملہ

تیمور نے اب ہاتھیوں کے دستوں کو حملے کرنے کا حکم دیا۔ اس حملے نے ترکوں کے اس انتشار کو جو کہ اچانک گولہ باری سے ہوا تھا۔ اور بھی کئی گنا بڑھا دیا۔ لہٰذا تُرکی فوج واپس لوٹی۔

تیمور اس موقعہ کا منتظر تھا۔ لہٰذا اُس نے نعرہ تکبیر کا حکم دیا اور اپنے سالاروں کو اپنے مقررہ منصوبہ کے بموجب جوابی حملہ کا حکم دے دیا۔ ان تیموری دستوں نے ترکی دستوں کو چاروں طرف سے گھیر کر بہت بُری

طرح سے قتل کیا۔

۲۔ شہزادوں اور اُمرا کے ڈویژنوں کو اپنے لشکر کے دائیں اور بائیں پہلو پورہ کر دشمن کے مرکزی جاں نثار اور سپاہی لشکر پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ تاکہ وہ مرکزی (مین باڈی) کے ساتھ یک جہتی قائم رکھیں۔

۳۔ تیمور نے ان سب کے ساتھ ہی شاہی محافظ اور آزمودہ کار ڈویژنوں سے دشمن کے قلب میں حملہ کر دیا۔

۴۔ شہزادہ میران شاہ کا لشکر تیمور کے لشکر کے ساتھ مل کر دشمن پر حملہ کرے۔ مگر امیرزادہ سلطان محمود کو حکم دیا۔ کہ ایلدرم کو شکست ہونے پر وہ اپنے چار ڈویژن دشمن کے تعاقب میں لے جائے اور سلطان ایلدرم کو گرفتار کر کے یا قتل کر کے اُس کا سر لے آئے۔

ایلدرم میدانِ جنگ میں تیمور سے دفاعی مات کھا گیا اور سلطان محمود کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ ایلدرم کی یہ بدنصیبی تھی۔ جبکہ تیمور نے جوابی حملہ کیا۔ اُس کے اپنے چند تاتاری سالار مع اپنی فوج کے سلطان تیمور کے لشکر سے مل گئے۔ اور ایلدرم کے لشکر پر ہی حملہ کر دیا۔ ایلدرم کے لڑکوں میں ارطغرل تو سیواس میں مارا گیا تھا۔ شہزادہ عیسیٰ باپ کے ہمراہ تیمور کے ہاتھ آیا اور قید ہوا۔ شہزادہ مصطفےٰ میدان جنگ میں کام آیا۔ اور باقی تین شہزادے جان بچا کر بھاگ نکلے۔ ان سب میں محمد سلیمان جو سب سے چھوٹا تھا۔ آخر کار سب بھائیوں پر بھاری ہوا۔ اور اُس نے پھر سے عثمانی سلطنت قائم کر لی۔

اسباق

(۱) تیمور نے ایلدرم کے لشکر کے خلاف مسلح ہاتھیوں کے دستوں کو نہایت کامیابی سے استعمال کیا۔ یہ آلۂ حرب بالکل نیا تھا۔ ترکی رسالے کے گھوڑے اور جاں نثاری دستے ان ہاتھیوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ تیمور ایک ایسا سالار تھا جو موقع کے مطابق جدّت استعمال کرتا تھا۔ ۱۸-۱۹۱۴ء کے خاتمے پر ٹینکوں کے سر شاندار سہرا ہے۔ یعنی جس طرح ۴۵-۱۹۳۹ء میں ہوائی جہازوں کی بمباری اور ایٹم نے میدانِ جنگ میں انقلابی اثرات پیدا کر دئے۔ اسی طرح تیمور نے اپنے مغربی شاگرد رشید نپولین کو یہ سکھلا دیا۔ کہ دشمن کی فوج کو اگر دفاعی چال سے آگ کے سامنے کھینچ لایا جائے۔ تو اُس کا نتیجہ دشمن کی موت ہے۔ نپولین نے منجنیق کو جدید ہتھیار بنا کر تیموری دفاعی چال سے نہایت کامیابی سے یورپی اتحادیوں کے خلاف استعمال کی۔

۲۔ ایشیا میں تیمور اسلامی جھنڈے کے تلے فتوحات حاصل کر رہا تھا اور یورپ میں ایلدرم نے صلیبی لشکروں کو بار بار شکست دے کر اسپین میں اسلامی حکومت کو پھر سے سو برس سے زائد زندگی دے دی۔ مگر عین اس وقت ایک فاتح سلطان نے گھمنڈ اور ضد اور دوسرے سلطان نے اپنی عظمت کے بے پایاں ہوس کا شکار ہو کر اسلامی عظمت کو ایسی کاری ضرب لگائی۔ کہ وہ یورپ اور ایشیا میں ساکن ہو کر رہ گیا۔

۳۔ سب سے زیادہ سبق آموز بات یہ ہے۔ کہ دونوں سلطان باعزم، جنگ آزمودہ اور اسلامی خدمت کا جذبہ لیئے ہوئے تھے۔ مگر دونوں میں فطرتی ایسی اخلاقی کمزوری موجود تھی۔ جو اخلاقی جذبہ کے مقابلہ میں ناکام رہی۔ سلطان تیمور کی طرح معاویہؓ بھی جاہ و جلال اور شان و شوکت کے دلدادہ تھے۔ مگر آنحضرتؐ کی صحبت کے شرف نے اُن میں یہ اخلاقی خوبی ضرور پیدا کر دی تھی۔ کہ وُہ مسلمانوں کے دشمنوں کے دھوکے میں نہ آئے۔ مثلاً جب قیصر روما نے حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ میں ناچاقی بڑھانے کی کوشش کی۔ تو حضرت معاویہؓ نے قیصر کو یہ الفاظ لکھ کر خاموش کر دیا:۔

"اگر تیرے خلاف حضرت علیؓ نے جہاد کیا۔ تو اُس وقت میں پہلا اسلامی سالار ہوں گا۔ جو حضرت علیؓ کے جھنڈے کے تلے تیرے خلاف جہاد کروں گا۔"

ایسا جواب ملنے سے مسلمانوں کے دشمن اپنا سا مُنہ لے کے رہ گیئے۔ مگر یہاں دونوں سلطان جذبات کی رو میں بہہ گیئے یا یُوں کہیئے کہ اگر تیمور ہندوستان میں اور اُن اطراف میں اپنی فتوحات جاری رکھتا اور ایلدرم یورپ میں تو دُنیا کے نقشے میں ایک زبردست تبدیلی لاحق ہو جاتی۔ مگر اللہ تعالےٰ کو یہ اس لیئے منظور نہ تھا کہ دونوں کا جہاد فی سبیل اللہ نہ تھا۔ بلکہ بہت حد تک شخصی یا خاندانی وقار کو ترقی دینا مقصود تھا۔

۴۔ اس ضمن میں یہ بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ کہ گو تیمور نے ایلدرم کے سالاروں کی غداری سے میدانِ جنگ میں فتح حاصل کر لی۔ مگر یہ فتح ٹیکٹکس کے اصول کی بنا پر گو ایک بڑی بھاری فتح تھی۔ لیکن سٹریٹیجی کے اصول کی بنا پر وہ فاتح نہ بن سکا۔ کیونکہ وہ جب خود قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لیئے اس اُمید کو پورا کرنے کی غرض سے آگے بڑھا کہ :۔

"قسطنطنیہ کا فاتح کوئی غازی آدمی ہوگا"

تو اُس وقت اُسے معلوم ہوا۔ کہ قیصرِ روما نے اُس کو دھوکا دیا ہے اُسے یہ بات ہرگز گوارا نہ تھی۔ کہ وہ سمرنا کے مستحکم مستقر کو اپنے عقب میں چھوڑ دے۔ یہ وہ مقام تھا جس نے سات برس سے مسلسل ترکوں کے حملوں کو ناکام بنا رکھا تھا۔ اُن ایام میں اس قلعے کا حکمران "فلبرٹ ڈی نیلک" تھا۔ جو صلیبی ہاسپلٹر کا مشہور لیڈر اور نائٹ تھا جب سلطان سمرنا کی طرف آگے بڑھا۔ اور اُسے خلاف اُمید یہ پتہ چلا۔ کہ سمرنا کا حکمران اُس کی مخالفت کرے گا۔ تو اُس نے سمرنا کا محاصرہ کر لیا۔ اُس کی جدید منجنیقوں اور ہاتھیوں نے قلعے کے دروازے کو آگ لگا دی اور توڑ دیا۔ تیمور نے اس غداری کے صلے میں سمرنا کے کسی جوان بوڑھے مرد یا عورت یا بچے کو زندہ نہ چھوڑا۔

تمام اہلِ یورپ تیمور کی ان دونوں کامیابیوں سے تھرا اُٹھے اور بقول کیمرج کے مشہور و معروف دفاعی مبصر ملر میگوا ئر گئے :۔

"اگر ترک اپنے ہم مذہب مسلم سلطان تیمور سے مل جاتے تو تمام یورپ

کی تہذیب و تمدن کا خاتمہ ہو گیا ہوتا۔

ویانا۔ آگ برگ۔ پیرس اور رُوم وغیرہ کا وہی حشر ہوتا۔ جو کہ حلب

بغداد۔ سیواس وسمرنا کا ہوا تھا۔ مگر خوش قسمتی سے یُونانی اب ترکوں

سے مل گئے اور اُنھوں نے سمندر پر سخت کڑی نگرانی کی۔ اور باسفورس

اور ہیلسپانٹ کے تمام سمندر پر بحری بیڑے لا کر کھڑے کر دیئے

صحرا کے چراگاہوں کے غیر مہذب شاہسوار سمندر پار کے سر بفلک

عمارتوں اور دولت کو دُور سے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے رہے

وہ بے بس اور معذور تھے۔ کیونکہ سمندر کو پار کرنے کے لیئے اُن کے

پاس کشتیاں نہ تھیں"

بہ الفاظ دیگر اس برطانوی دفاعی مبصّر نے صاف اور کھلے الفاظ

میں لکھ کر یہ اعتراف کیا ہے۔ کہ سلطان تیمور کی اخلاقی اور سیاسی

کوتاہ نظری سے عیسائیت اور دہریت وغیرہ دُنیا سے ہمیشہ

کے لیئے مٹ جانے سے بچ گیئے۔

ایسے قابل سپہ سالار کی اس کوتاہ نظری سے اگر نپولین اور ہٹلر

(جن کو ایشیائی لیڈروں کی سوانح عمریوں کے مطالعہ کرنے والوں میں

سے نمبر ۱ میں شمار کیا جاتا ہے) اگر صحیح طور سے سبق حاصل کرتے تو

وہ دونوں بھی یورپ کو فتح کر لینے کے بعد بحر انگلشیہ کو پار کرنے کے

لیئے اپنے آپ کو معذور نہ پاتے۔

ہمیں حیرت ہوتی ہے۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ تیمور جیسے دُور بین سپہ سالار نے ایسی بڑی غلطی سٹرٹیجی کے اُصولوں میں کیونکر کی اور تیمور نے مغربی حکمرانوں کے سفر کی باتوں میں آکر اپنے لیئے پہلی اور آخری ناکامی کیوں خریدی؟ اس واقعے سے ہم یہ اہم سبق سیکھ سکتے ہیں۔ کہ دفاعی سٹرٹیجی میں خوش فہمی ہمیشہ ناکامی کا باعث بنتی ہے۔

بہر حال تیمور کی اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ سلطان ایلدرم کے خاندان کو قُدرت نے بچا لیا اور وہ اس تیموری غلطی کی بنا پر اپنے ہی دُشمنوں سے مار دھکنے پر دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گیئے اور اس طرح سے عثمانی خاندان پھر سے اسلام کی خدمت کرنے کے لیئے زندہ رہا۔

ہم تیمور کی دُور بینی اور وقت شناسی کی داد دیئے بغیر بھی نہیں رہ سکتے۔ کہ جیسے ہی اُس نے یہ دیکھا۔ کہ حالات اُس کے موافق نہیں ہیں۔ تو وہ ١٤٠٤ء میں سمر قند کو واپس لوٹ گیا۔ بے عیب ذات خُدا کی ہے۔ اور ہم (مصنّف) واقعات کے گذرنے سے کئی صدیوں بعد نکتہ چینی کر رہے ہیں۔ مگر اس طرزِ عمل سے ہمارا مقصد تیمور یا ایلدرم کو نااہل سالار ثابت کرنا نہیں ہے۔ بلکہ آئندہ نسلوں کے نوجوانوں کو ان مثالوں سے صحیح سبق پیش کرنا منظور ہے۔ اس لیئے ہم نے نپولین اور ہٹلر کے ناموں کا ذکر کیا ہے۔

۵۔ اب ہم فاضل مورّخ ڈلاتر ڈل کیر کے قلم سے لکھے ہوئے انقرہ کی لڑائی کے حالات لکھتے ہیں:۔

انقرہ کی لڑائی

"لڑائی صبح چھ بجے شروع ہوئی اور کہیں رات کو ختم ہوئی۔ بایزید نے اپنے ایلدرم کے خطاب کو کبھی اس سے پہلے اتنا سزاوار ثابت نہ کیا تھا جتنا اس دن۔ اس نے کبھی اس قدر جرأت اور بہادری نہیں دکھائی تھی جتنی تیمور کے مقابلے میں اس سے ظاہر ہوئی۔ مگر فتح اس تک پہنچتے پہنچتے تھک گئی تھی۔ لڑائی کے شروع ہوتے ہی اصلاح الدین، پنتیش، سروخان اور کرمیانی کی فوجیں جن کے بادشاہ تیمور کی طرف سے معترف جنگ تھے۔ دشمن سے جا ملیں۔

سلطان ایلدرم دس ہزار جاں نثاروں (ینی چری) اور سربیہ کی امدادی فوج کے ساتھ دن بھر دشمن کا مقابلہ کرتا رہا اور صرف اس وقت جبکہ اس نے اپنی وفادار فوج کے آخری سپاہیوں کو میدان میں کام آتے ہوئے دیکھا۔ تو اس دلیر جنگجو نے میدان جنگ سے فرار کو ترجیح دی لیکن وہ گھوڑے سے گر کر دشمن کے قبضے میں آگیا۔ (۲۰ جولائی ۱۴۰۲ء)"

اس کے پانچ بیٹوں میں سے جو جنگ میں شریک تھے۔ موسیٰ اپنے باپ کے ساتھ گرفتار ہو گیا۔ سلیمان، محمد اور عیسیٰ فرار ہو گئے اور مصطفےٰ اس ہنگامے میں لاپتہ ہو گیا۔

شاہی قیدی کے ساتھ سلوک

تیمور نے اپنے قیدی کو عزت کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لیا۔

اور فرار کی تین کوششوں کے بعد اس نے بایزید کے ساتھ سختی برتی
اور اس کو بیڑیاں پہنا دیں۔

یہ بیان کہ بایزید کو ایک آہنی پنجرے میں قید کیا گیا تھا محض
ایک افسانہ اور تفنن طبع کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

اصل واقعہ (جو بہت ممکن ہے۔ اس افسانے کی وجہ سے ہو)
یہ ہے کہ چونکہ سلطان ایلدرم تاتاریوں کو دیکھ دیکھ کر سخت پیچ و تاب
کھاتا تھا۔ اس لیے تیمور نے اسے ایک ایسے میانے میں بٹھلا کر سفر
کرایا جس کی کھڑکیوں میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ اس قسم کے میانے
کو اصطلاح میں "قفس" کہتے ہیں۔ اس لفظ کے اصلی معنی پنجرے کے ہیں۔
غیر زبان والے مورخین کو اس لفظ سے دھوکا ہوا اور انہوں نے مشہور و
معروف آہنی پنجرے کا قصہ مشہور کر دیا۔ غم و غصہ نے قیدی کو کھا لیا۔
اور اس کو قبر تک پہنچانے میں کچھ زیادہ عرصہ نہیں لگا۔ (۹ مارچ ۱۴۰۳ء)

تیمور لنگ نے موسیٰ کو اپنے باپ کی لاش بروصہ لے جانے کی اجازت
دے دی۔ جہاں اس کو مقبرہ "شاگرغہ" میں مراد کی قبر کے برابر دفن کر دیا گیا۔

بایزید کے عہد میں اخلاقی خرابیوں کی ابتدا ہوئی

منصفوں کی زر پرستی
اس حد تک ترقی کر گئی تھی۔ کہ سلطان نے صرف ایک دن میں اسی (۸۰)
دروغ باف منصفوں کو موت کی سزا دی۔ لیکن شرمناک افعال کا سب سے
زیادہ ذمہ دار جو شخص تھا۔ وہ وزیر اعظم علی پاشا تھا۔ جو اپنے مالک کے

آتشیں جوش و غضب کو بھڑکانے ترقی دینے اور حق بجانب ثابت کرنے میں ہر ممکن تدبیر سے کام لیا کرتا تھا۔ ...."

آخری سبق | تیمور اور بایزید کی اس کش مکش میں بایزید کی ناکامی قرآن مجید کے ان احکامات کی بنا پر ہوئی :-

"مومنو شراب، جوا، معبودانِ باطل کے نشان اور پانسہ شیطانی کاموں کی گندگی ہے۔ ان سے بچو تاکہ فلاح حاصل کرسکو۔ شیطان کی خواہش ہے۔ کہ ان کے ذریعہ تمہارے درمیان عداوت اور کینہ ڈلوا دے اور صلوٰۃ و ذکر الٰہی سے باز رکھے۔ کیا تم اس کے جھانسے میں آ جاؤ گے۔ .. .. وقت آجائے گا۔ جب خدا کی ملاقات کو جھٹلانے والے زیاں کار اچانک اس گھڑی کو دیکھ لیں گے۔ حالت یہ ہوگی کہ پیٹھ پر گناہوں کا بوجھ ہے۔ اور کفِ افسوس مل رہے ہیں۔ ...."

بایزید نے شراب و عشرت کی سزا دنیا میں ہی پالی۔ لیکن شراب ترکی امرا سے نہ چھٹی ؎

آوازِ شکستِ جام تو ہے
احساسِ شکستِ جام نہ سہی

کیونکہ جلد ہی عیش و عشرت نے پھر ترکی سلطانوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔

آلِ عثمان کی دوسری زندگی

قسطنطنیہ مُراد ثانی کے عہد میں

انگورہ کی لڑائی کے بعد عثمانی شاہی دعویداروں کے درمیان کئی سال خانہ جنگی رہی۔ اس زمانے میں قیصر رہا مینول قسطنطنیہ کے تخت کا وارث بنا۔ یہ قیصر چالیس برس کا تھا۔ وہ تجربہ کار۔ دلیر اور جنگجو تھا۔ اس نے ایک طرف تو رعایا کو خوشحال بنانے میں بہت محنت سے کام کرنا شروع کیا جس وجہ سے رعایا اور لشکر اس کے دل سے ہمدرد اور معاون بن گئے۔ جب اُس نے اس کام میں کامیابی حاصل کر لی۔ تو اس نے قسطنطنیہ کے قلعے کی پھر سے مرمت شروع کر دی جو کہ یورپی صلیبی بادشاہوں کے زمانے میں کس مپرسی کی حالت میں پہنچا تھا۔ اور پھر آل عثمان کے مختلف سلطانوں کے احکام کے بموجب اس کے برج وغیرہ گرا دیے گئے تھے۔ قیصر رُوما نے قسطنطنیہ کے قلعے کو بارہ سال کے عرصے میں نہایت مضبوط قلعہ بنا لیا۔

سلطان مُراد ثانی کے باپ محمد اوّل نے اُس اقتدار کو پھر سے حاصل کر لیا تھا۔ جو کہ ایلدرم کے زمانے میں تھا۔ محمد اوّل نے جس طرح سے اس جسم ناتواں میں پھر از سرِ نو ایک تازہ رُوح پھونک دی۔ یہ نہایت ہی شاندار کارنامہ ہے۔

جب مُراد ثانی تخت نشین ہوا۔ تو ایشیائے کوچک کے بعض اُمرا نے

بغاوت کی۔ مگر مُراد سلطان ایلدرم کی طرح سے نہایت مستعد تھا۔ لہٰذا اُس نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی مملکت میں امن و امان قائم کر لیا۔ سالونیکا پھر سے یُونانیوں کے ہاتھ میں چلا گیا تھا۔ لہٰذا مُراد نے اسے دوبارہ فتح کر لیا۔ اور پھر سربیا کو بھی پہلے کی طرح سے اپنا باجگزار بنا لیا۔

اب مُراد ثانی قسطنطنیہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اس وقت قیصر مینول مر چکا تھا۔ اور اُس کا جانشین جان ہشتم تھا۔ جو کہ تجربہ کار، دلیر اور باہمت حکمران تھا۔

قسطنطنیہ کا محاصرہ

سلطان مُراد ثانی نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا اور اپنی نئی بھاری توپوں سے قسطنطنیہ کی فصیلوں پر گولہ باری شروع کر دی۔ گو اس گولہ باری سے قلعے کی دیواروں کو نقصان پہنچا۔ مگر اب یہ قلعہ بہت ہی مضبوط تھا۔ پھر بھی قیصر جان نے یہ اندازہ لگا لیا۔ کہ اس گولہ باری کا زیادہ عرصہ کے لیئے مقابلہ کرنا مشکل ہے۔ اس لیئے قیصر سمندر کے راستے سے شہر رُوم پوپ کے پاس گیا۔ پوپ ایوگنس نے اس شرط پر مدد دینا منظور کیا۔ اگر قیصر دونوں گرجاؤں کے الحاق پر رضامند ہو جائے۔ قیصر نے مجبوراً اس پر اپنی منظوری دیدی۔

پوپ کے ”کروسیڈ“ کے اعلان کرنے پر پولینڈ۔ ہنگری، جرمنی اور ولاچیا کے ملکوں سے صلیبی نائٹ کروسیڈر کے لیئے شہر وارنہ کے قریب جمع ہو گیئے۔ اس طوفان کے اُٹھ آنے کی وجہ سے مُراد ثانی نے قسطنطنیہ کا محاصرہ اُٹھا دیا۔ اور فوراً صلیبی لشکر کی طرف بڑھا۔ وارنہ کے قریب

بڑی سخت لڑائی ہوئی۔اور دشمن نے جم کر مقابلہ کیا۔شاہ مراد حالات کا بغور مطالعہ کر رہا تھا۔حتّٰی کہ اسے یہ موقع ہاتھ لگا۔کہ دشمن کے جتھے حملے کے جوش میں ایک دوسرے سے اس طرح جدا ہو گئے۔کہ شاہ ہنگری پر حملہ کرنا ممکن ہو گیا۔

شاہ مراد کی چشم دور بین شاہ مراد اپنے محافظی دستے کے ساتھ طوفان کی طرح آگے بڑھا، اور وہاں پہنچ گیا۔جہاں شاہ ہنگری صلیبی جھنڈا لیئے ہوئے کھڑا تھا۔شاہ مراد نے اس کے ایسا تیر مارا کہ وہ زخمی ہو کر گر پڑا۔اس کا گرنا تھا کہ تمام صلیبی لشکر کے پاؤں اکھڑ گیئے اور وہ میدان سے بھاگ نکلے۔ یہ واقعہ ۱۴۳۰ء میں ہوا۔

ترکوں کے لشکر کا بھی کافی نقصان ہوا۔اس لیئے جیسے ہی قیصر روما نے صلح کی درخواست کی۔سلطان نے اسے منظور کر لیا۔ سلطان نے اب فیصلہ کر لیا۔کہ باقی عمر عبادت و یاد الٰہی میں گذار دے گا۔لہٰذا اس نے اپنے بیٹے محمدؐ ثانی کو سلطنت کا تمام کاروبار سونپ دیا۔شاہ مراد کا حملہ غالبؓ کے دفاعی منصوبے کی مانند تھا۔

دارنا کی لڑائی ہنگری کے عوام نے اپنے بادشاہ کا انتقام لینے کا تہیہ کر لیا۔ہنگری کا سپہ سالار ہونیاڈے تھا۔ یہ بیس برس کے عرصے سے ترکوں کے خلاف نہایت دلیری اور بہادری سے لڑتا رہا تھا۔اور دارنہ کے میدان جنگ میں ثابت

قدمی کی لڑائی اسی کی وجہ سے لڑی گئی تھی۔ اس نے چار سال جنگ کی تیاری کی اور چونکہ اسے معلوم تھا کہ سلطان مراد گوشہ نشین ہو چکا ہے۔ لہٰذا اُسے نوجوان محمد ثانی کے خلاف کامیابی کی زبردست اُمید تھی۔ یورپ کے بہت سے صلیبی نائٹوں نے جرنل ہونیاڈے کی امداد کا بیڑہ اُٹھایا۔ اور وہ سب ہنگری میں جمع ہو گئے تو انہوں نے کسووا کے شہر کے قریب پیش قدمی کر کے ترکی علاقے کو فتح کرنے کی ٹھان لی۔ یہ جنگ ۱۴۴۲ء میں ہوئی۔

سلطان مراد گو اس وقت گوشہ نشین تھا۔ مگر وہ حالات سے بےخبر نہ تھا۔ لہٰذا وہ آخری بار پھر سے میدان جنگ میں آیا اور ہنگری کے لشکر کو ایسی شکست دی۔ کہ اُس سمت سے خطرہ دُور ہو گیا۔ اب بلقان میں صرف البانیہ کا حکمران "سکندر بیگ" ہی ایسا تھا۔ جو ابھی تک آزاد تھا۔ کیونکہ سکندر ان جھگڑوں میں نہ اُلجھا اور اُس کا علاقہ بہت دُشوار گزار پہاڑی خطہ تھا۔ اس لیئے عثمانی حکومت نے بھی اسے نہ چھیڑا۔

شاہ مُراد ثانی نے اپنے بیٹے محمد ثانی کو یہ نصیحت کی تھی کہ :۔

"تو قسطنطنیہ کو فتح کر۔ کیونکہ یہ وہ شہر ہے۔ جہاں مسیحیوں نے مسیحی حکومت قائم کر کے ایشیا و افریقہ میں فتوحات حاصل کرنے کا راستہ کھول رکھا تھا۔ یہی وہ جگہ ہے۔ جہاں سے تجارتی قافلے یورپ سے ایشیا اور ایشیا سے یورپ کو جاتے ہیں۔ شام۔ مصر۔ قلزم۔ عراق اور حجاز و ایران کا تجارتی مرکز بھی یہی شہر ہے۔

تجارتی اہمیت سے زیادہ اہمیت اس شہر کی دفاعی نظریئے سے ہے۔ اگر یہ قلعہ تمہارے ہاتھ آ گیا۔ تو صلیبی لشکروں کے لیئے ایشیا کی طرف خشکی کے راستے سے حملہ کرنا ناممکن ہو گا۔ میری خواہش ہے۔ کہ تم وہ غازی مرد ہو۔ جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے۔ اے محمدؒ تو اپنے جدِ امجد عثمان خان کی وصیت پر عمل کر کے جنتی ہو جا۔

قسطنطنیہ یعنی استنبول کی اہمیت

دُنیائے اسلام میں ترکوں کی خدمات کا صحیح احساس اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہم اسلامی لشکروں کی جدوجہد کے بارے میں پڑھ کر غور کریں۔ اور دیکھیں کہ قسطنطنیہ کی فتح کو اسلامی راہنماؤں نے کیوں اس قدر اہمیت دی تھی۔ قسطنطنیہ کے شہر کی تاریخ کو اگر یہ کہا جائے کہ وہ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ انسانی تہذیب و تمدن درانحالیکہ فنِ حرب کی تاریخ بھی اپنے آپ کو قدیم کہلانے کی حقدار ہے۔ تو غلط نہ ہو گا۔

زمانۂ قدیم سے یہ شہر اپنی دولت اور خوبصورتی کے لحاظ سے دُنیا بھر میں مشہور رہا ہے۔ جو مناظرِ قدرت نے اس شہر کو بخشے ہیں۔ دُنیا کے شاید ہی کسی شہر کو ایک ہی وقت میں بخشے گئے ہوں۔ چاہے آپ سمندر سے آئیں یا خشکی سے یہ شہر قدرتی مناظر کے لحاظ سے

اپنی مثال آپ ہے۔ دفاعی لحاظ سے بھی قدرت نے اسے بہت ہی محفوظ کر دیا ہے۔ خشکی کی طرف سے پہاڑ اس شہر کے پاسبان ہیں۔ اور سمندر کی جانب سے درۂ دانیال اور گیلوں کا جزیرہ نما اس شہر کا محافظ ہے۔

مذہبی لحاظ سے یہ شہر ایک ہزار برس تک مسیحیت کا صدر بنا رہا۔ تعلیمی لحاظ سے اس شہر کی یونیورسٹی بہت ہی قدیم درسگاہ ہونے کا فخر رکھتی ہے۔ مسیحیت کی اشاعت اس مسیحی یونیورسٹی کی سرپرستی میں ایک عظیم الشان و با اقتدار مسیحی حکومت کے ہاتھ میں تھی۔

برانس میلاد مسیح سے کئی سو برس پہلے میکارا قوم کے بادشاہ نے اس شہر کی بنیاد ڈال کر اس شہر کا نام برانس رکھا تھا۔ ۳۳۰ عیسوی میں شہنشاہ قسطنطین نے اس شہر کی توسیع کی۔ اور برانس سے بدل کر اس شہر کو "بیضن ٹائم" رکھا لیکن قدیم روما کی حکومت کی تقسیم دو حصوں میں ہوئی۔ تو افریقی اور ایشائی حصے کے مالک قیصر قسطنطین نے اس شہر کو اپنا پایۂ تخت بنا لیا۔ اور اس شہر کا نام "قسطنطنیہ" رکھ دیا۔

تین شہرے جب ہم گذشتہ تقریباً تئیس سو برس کے واقعات پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو ہم شاہ قسطنطین کی دفاعی بصیرت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس دو ہزار سال سے زائد کے عرصہ کو لے لیجئے۔ تو ہمیں یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ دنیا بھر کی جس طاقت نے دفاعی اقتدار حاصل کیا۔ اس نے اپنی جدوجہد اس شہر کو اپنے قبضہ میں لے لینے

کے لیے صرف کردی۔ اسے مشرقی اور مغربی با اقتدار قوموں کے قلعوں کا دروازہ کہا گیا ہے۔ اور یہ بھی کہ جس قوم کے ہاتھ میں اس کی کنجی ہے وُہ دُنیا بھر کی قوموں کی قسمت اور تجارت کے ساتھ کھیل سکتا ہے۔
مثلاً جب رُوما فاتح تھا تو انہیں اس شہر کے قبضے پر ناز تھا۔ جب مسلمانوں نے اشاعتِ اسلام کے لیئے یورپ کی جانب قدم بڑھایا۔ تو اس شہر کے فتح کرنے کی خواہش ہمیں اس امر سے معلوم ہوئی کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ جنہیں ہم آنحضرت کے بعد سٹرٹیجی کا دُنیا بھر میں بہترین ماہر سمجھتے ہیں۔ انھوں نے جیسے ہی ایرانی حکومت پر کاری وار کیا تو اپنے بہترین سپہ سالار خالدؓ کو ایران سے شام کے محاذ پر بھیج دیا اور اگر ابو بکرؓ کچھ عرصہ اور زندہ رہتے۔ تو بہت ہی ممکن تھا کہ قسطنطنیہ کی قسمت کا فیصلہ اُن ہی کے زمانے میں ہو جاتا۔ مگر ابو بکرؓ کے وصال اور خالدؓ کی معزولی نے قیصر روما کو اسلامی مجاہدین کے مقابلے میں دفاعی تیاریاں کرنے کا موقع دے دیا۔ لہٰذا مسلم مجاہدین کی تلوار کئی بار اس شہر کی فصیلوں سے ٹکرائیں۔ مگر اسے فتح نہ کر سکیں اور آخر کار ترکوں نے اس اسے فتح کرنے کا فخر حاصل کیا۔ اور پھر بیسویں صدی میں شکست فاش کھانے کے بعد اسے دوبارہ فتح کرنے اور ابھی تک اس پر قبضہ رکھنے کا سہرا بھی ترکوں کے سر پر ہے۔

با اقتدار حکومتوں کی نظریں

آجکل بھی یورپ کی با اقتدار حکومتوں کی آنکھیں اسی شہر پر

ہیں اور امریکہ بھی اسی شہر کے شیدائیوں میں سے ہے۔ امر کی طمع ایسا اچنبھا ہے۔ کہ اس کی تشریح کرنا آسان نہیں ہے۔ کیونکہ کئی بار یعنی جب کبھی یورپ کی فاتح قوموں نے اس شہر پر قبضہ کرنا چاہا۔ تو امریکہ نے اپنی حکمتِ عملی سے ان کی کوششوں کو ناکام رکھا۔ رُوس تو اس شہر کے قبضے کے لیے صدیوں سے اُدھار کھائے بیٹھا ہے۔

تجارتی منڈی اور پاسبان اس شہر میں یورپ اور ایشیا کے تجارتی راستے آ کر ملتے ہیں۔

ان راستوں کی پاسبانی کے لیئے قُدرت نے اس شہر کے گرد و نواح میں سات پہاڑی سلسلے قائم کر رکھے ہیں۔ اور یہ پہاڑ اس طرح سے استادہ ہیں۔ کہ نہ تو کوئی تاجر اپنے تجارتی مال و اسباب کو اور نہ ہی کوئی سالار اپنے لشکروں کو ان پہاڑوں کو عبور کیے بغیر جا سکتا ہے علاوہ ازیں سمندری راستے پر بھی ان پہاڑیوں کا قبضہ ہے اور کوئی بحری بیڑہ بحیرہ اسود سے بحیرہ وسط کو ان پہاڑوں کی زد سے باہر نکل کر نہیں جا سکتا۔

ان پہاڑوں کی وادیوں اور دامنوں میں کئی جنگجو اقوام کی ہڈیاں دفن ہیں اور اُن اقوام کی دفاعی جد و جہد کی یاد دلاتی ہیں۔ جنہوں نے اس شہر کو اپنا بنانے کی کوشش میں اپنا خون بہایا۔ ہاں سمندر اس بات پر نازاں ہے۔ کہ اُس نے بہت سی عظیم الشان اقوام کے بحری بیڑوں کو اپنی تہ میں ایسا بٹھا دیا کہ سوائے تاریخی اوراق کے ان اقوام کا نام و نشان باقی نہیں چھوڑا۔

قُدرتی مناظر چُونکہ اس شہر کی آب و ہوا نہایت ہی صحت بخش

مسلمان کیوں ناکام رہے

اکثر مورخین نے اس ناکامی کی وجوہات جسم کا بظاہر توانا اور فربہ ہونا مگر اس کی اندرونی روح کا اضمحلال پذیر ہونا لکھا ہے۔ مگر درحقیقت اس ناکامی کی بہت ہی اہم وجہ یہ تھی۔ کہ گو بحری رومی بیڑے کو سخت نقصان پہنچا۔ اور وہ بظاہر شکست کھا کر اپنی بندرگاہ کو چلا گیا۔ لیکن چونکہ وہ اپنے مستقر سے بہت قریب تھا۔ لہٰذا رومیوں کا نقصان گو کافی بھاری بھی تھا۔ مگر وہ اس نقصان کو برداشت کر سکے۔ مگر اسلامی بحری بیڑہ گو ٹیکٹکس کے اصول کی بنا پر فاتح رہا۔ مگر سٹریٹیجی کے اصول سے شکست کھا گیا۔ کیونکہ اس بیڑے کو فتحیابی کے باوجود میدان جنگ چھوڑنا پڑا۔ ایک لحاظ سے اس چھوٹی سی جنگ کو جنگ احد کی اس حالت سے مشابہت دی جا سکتی ہے۔ جو کہ قریش کے لشکر کی عارضی فتح کے بعد تھی۔ اگر بحری بیڑے کے لیئے کمک کہیں نزدیک ہوتی تو اسلامی بحری بیڑے کو واپس جانے کی ضرورت نہ پڑتی۔

چونکہ قسطنطنیہ ساحل پر واقع تھا۔ اس لیئے اسلامی بحری بیڑے کے چلے جانے سے اسلامی لشکر کا محاصرہ بے معنی سا ہو گیا اس حالت میں معاویہؓ کو اپنے لشکر کو اس مہم پر لے جانا دفاعی لحاظ سے دانشمندانہ نہ تھا۔ کیونکہ اسلامی لشکر کے پاس اس شہر کی نہایت زبردست فصیل (شہر پناہ) کو توڑنے کے لیئے مناسب قسم کی منجنیق نہ تھی کم از کم ان آلات کے استعمال کی کامیابی کا ذکر ہم نے کسی کتاب میں نہیں پڑھا۔

بہر حال ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ اسلامی برّی اور بحری بیڑے کا اتحاد میدانِ جنگ میں دیر پا نہ رہ سکا۔ اس لیے یکے بعد دیگرے دونوں لشکر واپس لوٹ گئے۔ پہلی جنگ عظیم میں اتحادیوں کے بحری اور برّی بیڑوں نے اسی قسم کی غلطی پہلی بار ۱۹۱۵ء میں قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے وقت کی۔ جبکہ انہوں نے صرف بحری بیڑے سے حملہ کیا تھا اور پھر انہوں نے برّی اور بحری فوجوں سے جو حملہ گیلی پولی پر کیا، وہ بھی اسی قسم کی غلطی کی وجہ سے ناکام رہا۔ کیونکہ پہلے حملے نے دشمن کو خبردار اور چوکنا کر دیا تھا۔

دوسرا اسلامی حملہ جب معاویہؓ خلیفہ تسلیم کر لیے گئے اور انہوں نے دمشق کو اپنا پایۂ تخت بنا لیا۔ تو انہوں نے سنہ ۴۴ھ میں ایک برّی لشکر عبدالرحمان بن خالد بن ولید کی قیادت میں اور ایک بحری بیڑہ بسیر بن ارطاۃ کی قیادت میں قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لیئے بھیجا۔ یہ بحری بیڑہ بحر ماورہ تک پہنچ گیا۔ برّی فوج وہاں پر ایسے وقت پہنچی۔ جبکہ موسم سرما شروع ہو چکا تھا۔ اس لیئے کوئی لڑائی نہ لڑی گئی اور اسلامی لشکر نے موسم سرما اناطولیہ میں گزارا۔ آخر کار یہ مہم بھی ناکام واپس چلی گئی۔

تیسری مہم معاویہؓ گذشتہ ناکامیوں سے مایوس نہ ہوئے اور انہوں نے سنہ ۴۸ھ میں ایک اور مہم کی تیاری شروع کر دی۔ شام اور مصر کی بندرگاہوں میں ایک عظیم بحری بیڑہ

تیار کیا اور جب یہ بیڑہ تیار ہو گیا۔ تو انھوں نے ایک لشکر فضیلہ بن عبید الانصاری کی قیادت میں روانہ کر دیا۔ اس بحری بیڑے میں بُسر بن ارطاة، اور عصر بن عرقہ، جیسے نامور امیر البحر بھی تھے۔ یہ بحری بیڑہ رود بار دانیال کو چیرتا ہوا قسطنطنیہ سے چند فرسنگ تک پہنچ گیا۔

برّی فوج کی قیادت سُفیان بن عوف الازردی، کے ہاتھ میں تھی۔ اس لشکر میں بہت نامور مجاہدین مثلاً عبد اللہ بن عباسؓ۔ عبد اللہ بن زبیرؓ اور حضرت ایوب انصاریؓ وعبد العزیز الکلابیؒ تھے۔ یزید بن معاویہ ایک لشکر بطور کمک لے کر اس محاذ پر آیا اور اس میں شامل ہو گیا۔ یہ لشکر رُوما کے دستوں کو شکست دے کر آخر کار قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے پہنچ گیا۔

قسطنطنیہ میں بہت سے جنگ آزمودہ اور جنگجو رومی سالار موجود تھے۔ یہ کئی بار اسلامی لشکروں سے لڑائیاں لڑ چکے تھے۔ قیصر رُوما کو مسلمانوں کی جنگی تیاریوں کا پُورا علم تھا۔ اس بنا پر اُس نے بھی بہت بڑے پیمانے پر تیاریاں کی تھیں۔ مثلاً اس نے شہر پناہ کو بہت مضبوط بنا دیا تھا۔ اور فصیل پر جا بجا ایسی منجنیقیں لگا دی تھیں جن کی مدد سے وہ آگ لگانے والے گولے دشمن کے بحری جہازوں پر پھینک سکتا تھا۔ اسی آگنی گولوں کی مدد سے قیصر کے لشکر نے کئی بار اسلامی بحری بیڑے کے حملوں کو ناکام بنا دیا۔

مسلمان مسلسل کئی دن تک صبح و شام بری اور بحری فوجوں سے حملے کرتے رہے۔ اور آگنی گولوں نے خاص کر اسلامی لشکروں کو بہت نقصان پہنچایا۔ اور بہت سے مجاہدین شہید ہوئے اُن شہیدوں میں عبدالعزیز بن زارہ کلبی اور حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی تھے۔ ان شہدا کو جہاں وہ شہید ہوئے تھے۔ اُسی جگہ پر دفن کر دیا گیا تھا۔ اس مرتبہ بھی اسلامی لشکر کو ناکامی کا منہ دیکھنا نصیب ہوا۔ مگر وطن واپس لوٹ جانے کی بجائے وہ قسطنطنیہ سے تقریباً اسّی میل کے فاصلہ پر پیچھے ہٹ گئے اور وہاں پر پڑاؤ ڈال دیا۔ اور بحری بیڑہ قبرص میں مقیم ہو گیا۔

اب اسلامی لشکر کا یہ معمول رہا۔ کہ وہ موسم گرما میں قسطنطنیہ کا محاصرہ کر کے اُس پر حملے کرتے اور سردیوں میں اپنی قرارگاہوں کو لوٹ جاتے۔ مگر اس دفاعی طرزِ عمل سے مسلمانوں کا جانی اور مالی نقصان بہت ہوا خصوصاً اُن کے بہت سے جہاز آتشی گولوں کی نذر ہو گئے۔ مسلمانوں کا جانی نقصان تیس ہزار نفر سے کم نہ تھا۔ اور عرب جیسے کم آبادی والے علاقے کے لیئے یہ نقصان بہت ہی کثیر تھا۔ خصوصاً اس لیئے کہ یہ تعداد اُن بہادر مجاہدین کی تھی۔ جو کہ بہت ہی آزمودہ کار۔ بے باک اور جاں نثار جنگجو تھے۔ یہ نقصان ناقابل برداشت تھا۔

اس مہم کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ موسم کی خرابی بیان کی

گئی ہے۔ مورخین نے یہ لکھا ہے۔ کہ اسلامی لشکر موسم سرما میں برف اور شدید سردی اور بارش کی سختیوں کو برداشت نہ کر سکے۔ اس بیان کے ساتھ جب ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ یہ مہم تقریباً دس برس تک جاری رہی۔ تو ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ اتنے لمبے عرصے میں خلیفہ نے مناسب انتظام کیوں نہ کیا۔ علاوہ ازیں مقامی سالار کیا کرتے رہے تھے۔ انہوں نے اپنے سپاہیوں کی نگرانی میں خاطر خواہ دلچسپی کیوں نہ لی۔ یہ واقعات ہمیں شک میں ڈالتے ہیں۔ کہ کیا خلیفۂ وقت نے دیدہ و دانستہ ان بہادرانِ اسلام کو اُن کے وطن سے اس لیئے دور رکھا۔ کہ کہیں اپنے ملک میں رہ کر "خلافت کے حقوق" کے جھگڑے کو از سرِ نو تازہ نہ کر دیں؟

اہم دفاعی سبق

بہرحال مسلمانوں کی یہ ناکامیاں اپنے اندر عبرت و بصیرت کی بہت سی داستانیں رکھتی ہیں اور اہم دفاعی سبق یہ ہے۔ کہ کسی مقام یا محاذ پر فوج بھیجنے سے پہلے وہاں کے فضائی حالات کے بموجب اس لشکر کی پوشاک اور خوراک اور رہائش کے انتظامات کر لینے نہایت ہی لازمی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ انتظام کرنا بھی لازمی ہے۔ کہ آیا اُس لشکر کے پاس ایسا سامانِ حرب موجود ہے۔ جس کی اُس لشکر کو اپنا مقصد حاصل کرتے وقت ضرورت ہو گی۔ علاوہ ازیں دو اطراف سے لشکر ایک مقام پر حملہ کرتے ہیں۔ تو ان دونوں لشکروں میں تعاون کو یقینی

بنانے کے لیئے اُن دونوں لشکروں کا ایک سپہ سالار ہونا چاہیئے
تاکہ حالات کے مطابق ان کو کامیابی سے لڑا سکے۔

ان پیہم شکستوں نے مسلمانوں کے حوصلے پست کر دیئے اور رومیوں کے حوصلے بہت بڑھا دئیے۔ مثلاً چونکہ مسلمانوں کے شہداء کے مزار قسطنطنیہ کی شہر پناہ کے پاس تھے اور جب مسلم لشکر اپنے وطن کو واپس لوٹ گیئے۔ تو قیصر رُوما نے شہر پناہ کی توسیع کی۔ تو یہ مزار فصیل کے اندرُونی علاقے میں آگیئے۔ ان شہدا کے عزیز و اقارب ہر سال ان مزاروں پر فاتحہ کے لیئے جایا کرتے تھے۔

قیصر اور خلیفہ

قیصر قسطنطین دوئم نے رُومی سفیر کو خلیفہ یزید کے پاس اس غرض سے بھیجا۔ کہ وہ بنو اُمیہ کے خلیفہ سے جا کر یہ کہہ دے۔ کہ آئندہ اگر مسلمان ان مزاروں پر فاتحہ خُوانی کے لیئے آئے تو قیصر رُوما ان مسلمانوں کی لاشوں کو قبروں سے نکال کر فصیل سے باہر سُمندر میں پھینک دے گا۔ قیصر کو یقین ہے۔ کہ مسلمان محض جاسُوسی اور خُفیہ طور سے حالات معلوم کرنے کی غرض سے قسطنطنیہ آتے ہیں۔

خلیفہ یزید نے رُومی سفیر کے اس پیغام کے جواب میں یہ کہا۔
"کہ اگر رُومیوں نے مسلمانوں کے مزاروں کی بے حُرمتی کی تو خلیفہ اس ناشائستہ حرکت کے جواب میں اپنے ملک سے تمام عیسائی پیشواؤں کی ہڈیاں اُن کے قبرستانوں میں سے نکال کر سمندر میں پھینک دے گا

اس جواب پر قیصر اپنی حرکت سے باز رہا۔

بہرحال کئی صدیوں تک مسلمانوں کی قبریں کس مپرسی کی حالت میں پڑی رہیں۔ آخر کار سلطان محمد عثمانی ترک نے جب قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ تو یہاں پر عالیشان مقبرے تعمیر کیئے۔

اسلامی سٹرٹیجی جس پر عمل نہ ہوا

جب موسیٰ بن نصیر اندلس کی مہم سے کامیابی کے ساتھ فارغ ہوگیا۔ تو اس نے یہ ارادہ کیا۔ کہ وہ فرانس کے راستے سے یورپ کے ممالک کو فتح کرتا ہوا اپنے وطن کو لوٹے۔ حتیٰ کہ جب اس نے "جلیقیہ" اور ایسرپاس جو کہ اندلس کی آخری سرحد تھی۔ فتح کر لیا۔ تو اس نے فرانس میں پیشقدمی کرنے کا منصوبہ بنایا۔ مگر عین اس وقت موسیٰ کے پاس خلیفہ ولید کی طرف سے ایک نامہ بر پہنچا اور اس نے خلیفہ کا حکمنامہ دیا۔ جس کی رو سے موسیٰ کو آگے بڑھنے سے منع کیا گیا تھا۔ موسیٰ جب آگے کی طرف نہ بڑھ سکا۔ تو سمت تبدیل کر کے دوسری طرف پیشقدمی کر کے فرانس کے علاقے میں داخل ہو گیا اور بڑھتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ اُن کو ولید کا دوسرا نامہ بر ملا۔ اس حکمنامہ کی رو سے موسیٰ کو مجبوراً واپس لوٹنا پڑا۔ اس پیشقدمی کرنے سے موسیٰ کے سامنے سب سے اہم مقصد یہ تھا۔ کہ قسطنطنیہ کے محاصرہ میں مسلمانوں کو جو ناکامیاں اٹھانی پڑیں۔ ان کے اثرات کے باعث اسلامی لشکر کے دل و دماغ پر ایسا ورم ہو گیا تھا۔ جو رہ رہ کر ابھر نے

کے باعث تمام مسلمانوں کو ندامت سے بیقرار کرتا تھا۔ موسیٰ اس زخم کو ناسور بننے سے قبل شفا دینا چاہتا تھا۔

علاوہ ازیں وہ عیسائی حکمرانوں کے اقتدار کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا چاہتا تھا۔ مگر بقول ابن قتیبہ ولید کو موسےٰ کے خلاف اس قدر بھڑکایا تھا۔ کہ اُس نے شہر کے قاضی سے موسےٰ کے خلاف بغاوت کی بنا پر بیزاری کا اعلان جاری کرنے کا حکم دیا۔

بہرحال موسےٰ کے دُشمنوں نے حسد و بغض کی آگ میں جلنے کے باعث موسیٰ کو ہی نیچا نہیں دکھلایا۔ بلکہ اشاعتِ اسلام اور تمام مسلمانوں کی ملّت کو عظیم نقصان پہنچایا۔ ابن اثیر اور ابن خلدون کی تصانیف سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔

ہم نے موسیٰ بن نصیر کے واقعہ کو اس غرض سے لکھا ہے۔ کہ ہمیں قسطنطنیہ میں ناکامی کی صحیح وجہ مل جائے۔ یا یوں کہیئے کہ قسطنطنیہ کے محاصرے میں مسلمانوں کو جو مسلسل ناکامیاں اُٹھانی پڑیں۔ ان کی وُجوہات جہاں پر شدت کی سردی، غیر مناسب آلاتِ جنگ وغیرہ ہو سکتے ہیں۔ وہاں پر سب سے اہم باعث خلیفہ میں اخلاقی کمزوری اور اُن کے امرا کا حسد و رشک کا شکار ہونا بھی ہے۔ کیا مسلم حکمران قرآن مجید کے احکام نہ بھول گئے تھے؟

"شخصی تعلقات کو جماعتی تعلقات پر ترجیح نہ دو۔ صرف اللہ سے ڈرو اور دُشمنانِ حق کو دوست نہ بناؤ کیونکہ فلاح و سعادت کی راہ

یہی ہے"۔

قسطنطنیہ کے خلاف چوتھی مہم

سلیمان بن عبد الملک ۹۶ھ بمطابق ۷۱۵ء میں اپنے بھائی ولید کی جگہ خلیفہ بنا۔ یہ خلیفہ خوش نصیب تھا۔ کہ اُس نے اپنے ملک کو امن کی حالت میں پایا۔ خزانوں میں روپیہ۔ ذخائر میں اسلحہ اور سازو سامانِ جنگ اور اعلیٰ درجہ تربیت یافتہ اور منظم اور بلند حوصلہ فوج ملی۔ رُوما کی سلطنت اور بلغاری اور سلاخی قوموں میں لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ لہٰذا سلیمان نے قسطنطنیہ کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ اس مقصد کو پُورا کرنے کی غرض سے بڑے پیمانے پر برّی اور بحری لشکر تیار کیئے۔ بعض مورّخین نے مذہبی جذبہ کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے۔ کہ خلیفہ سلیمان اس غرض سے اور بھی قسطنطنیہ کو فتح کرنے کا خواہش مند تھا۔ کیونکہ تمام عرب ممالک میں یہ مشہور تھا۔ کہ آنحضرتؐ نے صحابہؓ سے یہ فرمایا تھا:۔

"قسطنطنیہ کا فاتح کوئی غازی مرد اہل جنّت میں سے ہوگا۔" عرب اسے حدیث کے لفظ سے پُکارتے تھے۔ بعض مورّخین نے یہ وجہ بھی لکھی ہے کہ "عموریہ" شہر اور صوبے کا رومی گورنر "لیو" نے خلیفہ سے یہ کہا۔ کہ اگر خلیفہ اُسے قسطنطنیہ کا گورنر (عامل) بنادے تو وہ اسلامی لشکر کی مدد کرے گا۔

خلیفہ سلیمان نے اب بہت ہی بڑے پیمانے پر جب بحری اور

بڑی لشکر تیار کر لیئے۔ تو اُن کو ہر قسم کے اسلحہ۔ آلات حرب و رسد سے لیس کر کے اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو اس لشکر کا امیر مقرر کیا۔

۹۸ھ ۷۱۶ء میں یہ لشکر دمشق سے روانہ ہوا اور اناطولیہ کو روندتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ خلیفہ خود تو شہر "وابق" میں ٹھہر گیا۔ جسے اُس نے اپنا ایڈوانس مستقر بنا لیا۔ تاکہ وہاں میدانِ جنگ کے قریب قیام کر کے ہر قسم کی کمک وغیرہ بھیج سکے اور مناسب احکام بھی جاری کر سکے۔
خلیفہ نے مسلمہ کو وابق سے روانگی سے قبل یہ حکم دیا۔ کہ جب تک قسطنطنیہ کو فتح نہ کر لے۔ واپس لوٹنے کا نام نہ لے۔ اس موقعہ پر قرآن کریم کی یہ آیت کہ "اے مومنو! دشمن حق سے چوکنے رہو۔ انہیں اپنا رازدار نہ بناؤ۔ ان کا عناد تو ان کی باتوں سے ٹپک رہا ہے۔ لیکن دلوں میں جو کچھ چھپا ہے۔ وہ اس سے بھی زیادہ ہے ... " قابلِ ذکر ہے۔
مسلمہ اناطولیہ کے شہروں کو فتح کرتا ہوا عموریہ پہنچا۔ اور اُس کا محاصرہ کر لیا۔ عموریہ کا گورنر لیو تھا جب اُس نے مسلم لشکر کی طاقت کا اندازہ لگایا۔ تو اُس نے عیاری سے کام لیا۔ لیو ایک تجربہ کار عیار اور بہادر جرنل تھا۔ وہ عرصہ سے قسطنطنیہ کے تخت پر بیٹھنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا۔ کہ قیصر روم تھیوڈوسیس سوئم سے رعایا خوش نہیں ہے۔ اور رومی اُمرا آپس میں بغض و حسد کا شکار بنے ہوئے ہیں۔ اس لیئے لیو نے مسلمہ سے یہ چال چلی کہ "اسے اپنی فوج کے

ساتھ اس طرح سے عموریہ سے نکل جانے دے۔ جیسے کہ وہ جان بچا کر نکل آیا ہے اور جیسے ہی وہ قسطنطنیہ پہنچے گا۔ تو اپنی حکمت عملی سے اُس شہر کو مسلمانوں کے حوالے کر دے گا۔

امیر مسلمہ عقلمند اور تجربہ کار جرنل نہ تھا۔ لہٰذا وہ لیو سے دھوکا کھا گیا۔ اس طرح سے لیو بہت زبردست فوج اور روپیہ کے ساتھ قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ اور وہاں پر قیصر روما کے حمایتی لشکر کو شکست دے کر خود قیصر بن بیٹھا۔ اور اپنا لقب "قیصر لیو سویم" رکھا۔ یہ واقعہ ۷۱۶ء / ۹۹ھ کا ہے۔

اُدھر مسلّمہ آگے بڑھا اور ابادوس کی بندرگاہ پر پہنچا۔ یہاں پر اسلامی بحری بیڑہ اُسے مل گیا۔ اُس کی مدد سے اُس نے بحرہ مامورہ کو عبور کیا اور بحرہ مامورہ کے یورپی ساحل کے ساتھ ساتھ قسطنطنیہ کی طرف آگے بڑھا۔ اس پیش قدمی سے مسلّمہ نے شہر پرگیماس (PERGAMOS) پر قبضہ کر کے اس میں اپنے رسد و آلات و حرب کے ذخائر اور کمک وغیرہ جمع کر دیئے۔ اس انتظام کے بعد مسلّمہ نے آگے بڑھ کر قسطنطنیہ کا خشکی اور سمندر کی طرف سے محاصرہ کر لیا اور فصیلوں کو توڑنے کے لیے منجنیقیں لگا دیں۔ مگر قسطنطنیہ کی فصیل کی دیواریں بہت ہی مضبوط تھیں۔ علاوہ ازیں عربوں کی منجنیقیں شہر پناہ سے اس وجہ سے کافی فاصلے پر رہیں۔ کیونکہ رومی منجنیقیں اُن کی منجنیقوں سے بہت بڑی تھیں اور اونچے اونچے میناروں پر مستحکم اور

میں آویزاں تھیں۔ لہٰذا اُن کی مار بہت دُور کی تھی۔
مسلمہ نے رومی باعزم بچاؤ کے منصوبے کو ختم کرنے کے لیئے حسب ذیل تدابیر اختیار کیں:۔
۱۔ مسلمہ نے اپنے لشکر کے پڑاؤ کے اردگرد بہت گہری خندق کھودی اور پڑاؤ کے اندر آنے والے راستوں پر حفاظتی مینار اور مورچے بنائے اس کے ساتھ ہی قسطنطنیہ کے آنے جانے والی تمام بڑی سڑکوں پر کڑی نگرانی قائم کردی اور اپنے سوار دستوں کو گردونواح میں پھیلا کر تمام فصلوں اور باغات کو تباہ کردیا۔ تاکہ خشکی کی طرف سے کوئی رسد نہ آئے علاوہ ازیں کئی شہسوار دستے اس غرض سے مختلف مقامات پر پوشیدہ طور سے متعین کر دیئے۔ تاکہ اگر کوئی رومی قافلہ سامان رسد یا حرب قسطنطنیہ کے لیئے لائے تو اُس پر قبضہ کرلیں۔
۲۔ امیر مسلمہ کے تحت امیر البحر سلیمان بن معاذ انطاکی تھا۔ اس کے بحری بیڑے میں اٹھارہ سو جنگی جہاز تھے۔ غالباً اتنا بڑا عربی بحری بیڑہ پھر کبھی جمع نہیں ہوا۔ سلیمان بن معاذ نے دشمن کو سمندر کی جانب سے مکمل ناکہ بندی کرنے کی غرض سے اپنے بیڑے کو اس طرح سے دو بحری بیڑوں میں تقسیم کیا:۔
۱۔ پہلا دستہ:۔ اس دستے کو بحر ماموره کے ایشیائی ساحل کی دو بندرگاہوں پر متعین کیا یعنی یوٹروپس (EUTROPIUS) اور انتھیمس (ANTHIMUS) ان کے ذمّے یہ کام تھا۔ کہ وہ یونانی

جزائر اور اُس کے گردونواح کے ساحلی علاقے سے کسی قسم کا سامانِ حرب یا رسد قسطنطنیہ نہ پہنچنے دیں۔

۲۔ دُوسرا دستہ:۔ اس بیڑے کو بحر باسفورس میں بندرگاہ کے بالمقابل اس غرض سے متعین کیا۔ تاکہ بحرۂ اسود کے یورپی بندرگاہوں خصوصاً جیرس اور ترابیزانار سے کسی قسم کی امداد رومیوں تک نہ پہنچ سکے۔

رومیوں نے ناکہ بندی توڑنے کی غرض سے اپنے یورپی بحری بیڑے کو ایسے وقت سمندری لڑائی کے لیئے بھیجا۔ جبکہ سمندر میں طوفان تھا۔ سُمندر کی لہروں کا تلاطم رُومیوں کے حق میں تھا۔ یا یُوں کہیئے کہ رُومیوں نے فضا کی مقامی حالات کا صحیح اندازہ لگا کر اس موقع سے پُورا پُورا فائدہ اُٹھانے کی ٹھان لی۔

سُلیمان بن معاذ نے جب رومی بیڑے کو جنگ کرنے کی غرض سے پیش قدمی کرتے دیکھا۔ تو وہ اپنے بحری بیڑے کو لے کر آگے بڑھا۔ سمندر کی تیز ہواؤں اور بڑی بڑی لہروں کی وجہ سے دو بحری بیڑے ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گیئے۔ رومی بحری بیڑے کے جہاز عربوں کے جہازوں سے بڑے تھے اور اُونچے تھے۔ اس بلندی سے فائدہ اُٹھا کر مسلم بحری جہازوں پر جلتے ہوئے گولے پھینکے جس کی وجہ سے بہت سے اسلامی بیڑے کے جہاز رومیوں نے جلا دئے اور کچھ جہازوں کو طوفان کی ہوائیں اُڑا کر قسطنطنیہ کی فصیل کے پاس لے گئیں۔

سُلیمان بن معاذ نے اس طوفان کی ہوا کو اپنے لیے موافق سمجھا۔ اور اُس نے رُومیوں سے مسلم جہازوں کے آگ سے جلائے جانے کے نقصانات کا بدلہ لینے کی غرض سے تمام باقی مسلم جہازوں کو شہر پناہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ تاکہ مسلم جانباز فصیل پر ہلّہ بول کر چڑھ جائیں اور اس طرح سے شہر کو فتح کر لیں۔

مگر قیصران حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ لہٰذا اُس نے اُس وقت تک انتظار کیا۔ جب تک کہ عرب جہاز فصیل کے نیچے لنگر انداز ہو گئے۔ پھر اُس نے نہایت مستعدی سے عرب جہازوں پر فصیل سے جلتی ہوئی رال کی ہانڈیاں پھینک دیں۔ یہ جہاز لنگر انداز ہونے اور مخالف طوفانی ہوا کی وجہ سے بہت بُری طرح سے پھنس گئے تھے۔ اس لیئے بہت مسلمانوں کے جہاز مع جہازیوں کے آگ کی نظر ہوئے۔ اس وجہ سے سلیمان بہت بھاری نقصان اُٹھانے کے بعد یورپی سمندری ساحل سے بصد مشکل سوستھانی خلیج میں اپنے باقیماندہ جہاز لے کر پناہ گزیں ہوا۔

اِس پسپائی کے بعد مسلمہ نے محاصرے کو سختی سے دوبارہ جاری کرنے کی غرض سے جنگی تیاریاں کیں۔ مثلاً نئے کمکی دستے اسلحہ۔ آلات اور رسد کے ذخائر جمع کیئے گئے۔ لشکریوں کے لیئے لکڑی کے مکانات اور پہاڑوں کے غاروں کو بھی جائے سکونت اور ذخائر کے لیئے استعمال کیا۔ مگر مسلمہ نے محاصرے کی کارروائی ۲ محرم ۹۹ھ میں شروع

کی۔ یعنی یہ کام موسم سرما سے کچھ پہلے شروع ہوا۔

مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ مسلمہ ایک تجربہ کار اور دُور بین سالار نہ تھا۔ وہ بیباک اور دلیر ضرور تھا۔ مگر سٹریٹجی اور فن حرب کا ماہر نہ تھا۔ علاوہ ازیں بدقسمتی سے اُس کے پاس قابل اور جنگ آزمودہ مشیر بھی نہ تھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے نہ وہ قرآن مجید کے مذکورہ احکامات سے بھی واقف نہ تھا۔

مسلّمہ کی ایک اَور غلطی

مسلّمہ نے محاصرے کو اس بار نہایت ہی سختی سے شروع کیا۔ اس سختی نے قسطنطنیہ کے محصورین کو پریشان کر دیا۔ لیوؔ عیّار اور چالاک تھا۔ لہٰذا اُس نے اپنے سفیر بھیج کر مسلّمہ کو یقین دلایا۔ کہ وہ صرف وقت کا منتظر ہے اور وہ رُوما کے لشکریوں کو ہتھیار گرانے پر مجبُور کر دے گا۔ اُس نے اپنی معذُوری کی وجہ یہ بیان کی۔ کہ ابھی تک اُس کے دشمن بہت سے ہیں۔ لہٰذا اگر مسلّمہ محاصرے کو ذرا نرم کر دے اور خُوراک کا سامان شہر میں آنے دے۔ تو پھر وُہ اپنے دشمنوں کے جتھے کو ناکام بنانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ مسلّمہ پھر لیوؔ کے دھوکے میں آگیا۔ البتہ اُس نے مسلم لشکریوں کو حکم دے دیا کہ وہ تمام قابل کاشت زمین پر غلّہ اُگائیں۔ اس طرح سے مسلمانوں کو غلّہ خریدنے کی ضرورت نہ ہو گی اور دوسرے دشمن کے شہریوں اور لشکریوں کو یہ یقین ہو جائے گا۔ کہ مسلم لشکر قسطنطنیہ کو فتح کیے بغیر عرب کو واپس نہ لوٹیں گے۔

اس محاصرے کے چند ہفتوں بعد یعنی ۱۰ صفر ۹۹ھ کو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہو گیا۔ اس وفات کی وجہ سے دمشق سے نئی کمک نہ پہنچی۔ کمک کا انتظار ہو رہا تھا۔ کہ موسم سرما شروع ہو گیا۔ اس سال نہایت ہی شدت کی سردی پڑی اور کئی مہینوں کے لیئے تمام علاقہ برف سے ڈھکا رہا۔ سالاروں کی بدنظمی یا لاپرائی کی وجہ سے بہت سے مسلم سپاہی، گھوڑے اور جانور اس شدید سردی کے باعث مر گیئے۔ گو رسد کے بہت بڑے ذخیرے جمع کیئے گیئے تھے۔ مگر وہ بھی بے احتیاطی اور برف و باراں کی وجہ سے برباد ہو گیئے اس لیے لشکریوں اور جانوروں کے لیے رسد کی کمی نے انسانوں اور جانوروں کو بہت کمزور کر دیا۔

حالات میں تبدیلی

ان اضطرابی حالات میں ایک اور زبردست اضافہ یہ ہوا کہ امیر البحر سلیمان کا انتقال ہو گیا۔ جس کی وجہ سے بحری بیڑے میں بہت مایوسی پھیل گئی۔

مسلمہ کی اجازت اور کچھ لشکریوں کی معذوریوں کی وجہ سے لیئو نے تمام موسم سرما میں بہت سے ذخائر جمع کر لیئے اور چونکہ اُس کے لشکری اور ہر قسم کے جانور عمدہ مکانوں میں مقیم تھے اس لیئے وُہ سردی سے محفوظ رہے اور اُن کا کوئی جانی یا مالی نقصان نہ ہوا۔

دُوسرے سال موسم بہار میں اسکندریہ سے ایک بہت بڑا بحری بیڑہ سامان رسد و حرب کے ساتھ بحیرہ مامورہ میں پہنچا۔ اور

اس نے قالوس اگروس کی بندرگاہ میں لنگر ڈال دئے۔ اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد ایک اور بحری بیڑے کا قافلہ سامان رسد وحرب لے کر بحیرہ ماموره میں پہنچا۔ اور اُسے بیطانی ساحل یعنی بحیرہ ماموره کے مشرق کی جانب لنگر انداز کیا گیا۔

غدّاری افریقہ اور اسکندریہ کی کمک میں بہت ایک بڑی تعداد عیسائی تنخواہ دار (اجورہ دار) لشکریوں کی تھی۔ وہ لالچ اور طمع کی غرض سے اسلامی فوج میں بھرتی ہوئے تھے۔ جب یہ عیسائی لشکری اسلامی کیمپ میں پہنچے۔ تو مسلم سپاہیوں اور جانوروں کی خستہ حالی کو دیکھ کر اُن کے دل بے ایمان ہو گئے اور انھوں نے عیسائی بادشاہ لیوؔ سے سازباز کی اور ایک رات عیسائی سپاہیوں کی بہت بڑی تعداد کشتیوں پر سوار ہو کر اور بہت سا سامان رسد و حرب لے کر لیوؔ کی فوج میں جا ملی۔ مگر لیو ہوشیار جرنل تھا۔ اُس نے مسلّمہ سے برابر سازباز جاری رکھی۔ اور اُس سے یہی کہا گیا کہ عیسائی لشکری جو اسلامی لشکر سے بھاگ کر آئے ہیں۔ دراصل یہ اُس کے اپنے دشمنوں کا منصوبہ تھا۔ ورنہ وہ بذات خود تو صرف اس لئے قیصر بنا تھا کہ جلد سے جلد خلیفہ کے نام پر مساجد میں خطبہ پڑھوا کر اسلامی مملکت کے حلیف ہونے کا اعلان کر دے۔ مگر اس کے برعکس اُس نے اس جنگ کو مذہبی جنگ قرار دے دیا تھا۔ لہٰذا عوام اُس کے معاون بن گئے تھے۔

عیّاری

اس قسم کے وعدوں اور پیغامات سے اُس نے مسلمہ کو غافل بنا دیا۔ آخر کار لیتو نے اپنا بحری بیڑہ بھیج کر اسلامی بحری بیڑے پر رات کے وقت حملہ کیا اور اس اچانک حملہ کی وجہ سے بہت سے اسلامی بیڑے کے جہازوں کو آگ لگا کر جلا دیا۔ کچھ جہازوں کا مالِ غنیمت لوٹ کر لے آیا۔ جس وقت لیتو کا بحری بیڑہ اسلامی بیڑے پر حملہ کر رہا تھا۔ اُس وقت اُس نے اسلامی پڑاؤ پر شب خون مارا۔ بہت سے مسلمان لشکریوں کو ہلاک اور زخمی کیا۔ ایسے کامیاب حملوں کے ساتھ ہی لیتو نے عیاری یہ کی کہ مسلمہ کے سفیروں سے اپنی دوستی کا دم بھرا اور یہ سمجھایا کہ چونکہ اسلامی لشکر زراعت کرنے میں مشغول ہو گیا ہے۔ اس لیئے وہ آرام طلب بن گیا ہے۔ لہٰذا مسلمہ اسلامی لشکریوں کو زراعت سے ہٹا کر اُن کو جنگی تربیت دے۔ یہاں تک کہ فصلوں کو آگ لگانا بھی مناسب ہوگا۔

مسلمہ نے اس مرتبہ بھی دھوکا کھایا اور اُس نے تمام فصلوں کو جو کہ پکنے کے قریب تھیں۔ آگ لگانے کا حکم دے دیا۔ اس طرح سے نہایت ہی قیمتی غلّے اور چارے کے بہت بڑے ذخیروں کو اُس نے اپنے ہاتھوں تباہ و برباد کر دیا۔ بحری بیڑے کے عظیم نقصان کی وجہ سے سمندر کے راستے سے نہ تو کمک پہنچی اور نہ ہی سامان رسد و حرب پہنچ سکا۔ لہٰذا اسلامی کیمپ میں سخت قحط پڑ گیا۔ اس وجہ سے لشکریوں میں بیماری بھی پھیل گئی۔ لشکریوں نے شکم پُری کی غرض سے باربرداری

کے جانور اور گھوڑے کھانے شروع کر دئیے۔

عیّار لیّو ان حالات سے باخبر تھا۔ لہٰذا اب اُس نے قلعہ سے نکل کر اسلامی کیمپ پر دھاوا بول دیا اور اس کو بہت نقصان پہنچایا۔ مگر اس پر بھی مسلمہ کے عزم میں فرق نہ آیا اور اُس نے اپنے محاصرے کو جاری رکھا۔

محاصرہ اُٹھالیا گیا خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کو جب ان حالات کی خبر ہوئی۔ تو اُنہوں نے مسلمہ کو محاصرہ اُٹھا کر واپس آنے کا حکم دیا۔ لہٰذا ۱۲ محرم ۹۹ھ کو عربوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ اُٹھا دیا۔

بری فوج تو بچ کر نکل گئی اور دمشق پہنچ گئی۔ اگرچہ اس فوج کو تو دشمن نقصان نہ پہنچا سکا مگر اس کے بہت سے سپاہی اور جانور کمزوری کی وجہ سے سفر کی تکالیف کو نہ اُٹھا سکے اور راستے ہی میں ختم ہو گئے۔

بحری بیڑے پر یونانیوں نے سخت حملے کیئے اور اس کے بہت ہی کم جہاز شام کی بندرگاہ پر واپس لوٹے۔ اسلامی بحری بیڑے پر یہ بہت کاری زخم تھا جو لگا۔

اسباق یہ مہم جس کے لیئے بے حد تیاریاں کی گئی تھیں ناکام رہی اس کی ناکامی کی وجوہات یہ تھیں :-

۱۔ فوج کے سپہ سالار کا تقرر قابلیت کی بنا پر نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اُسے اقربا پروری کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ یہ بہت ممکن تھا۔ کہ اگر سپہ سالار

کی تقرری میں دیدہ و دانستہ غلطی کی گئی تھی۔ تو اس کا تدارک اس طرح سے کیا جاتا کہ فوج کے باقی سالار قابلیت کے لحاظ سے متعین کیے جاتے مگر اس جگہ بھی خلیفہ نے اخلاقی کمزوری سے کام لیا۔ لہٰذا جن بنیادوں پر یہ قلعہ تعمیر کیا گیا تھا وہ بہت ہی کمزور تھیں۔ چونکہ یہ جنگ جہاد فی سبیل اللہ نہ تھی۔ اس لیئے بنیادی طور پر یہ مہم شہرت۔ ناموری اور خاندانی استحکام کے لیئے لڑے جانے کے باعث ناکامی پر ختم ہوئی۔

حدیثی اُصولوں سے تغافل

خلیفہ کے مشیروں نے اس مہم کی تیاری صحیح دفاعی اُصولوں پر نہیں کی تھی۔ مثلاً سب سے ضروری امر یہ تھا کہ فوج کے پاس ایسا اسلحہ ہوتا جس سے قسطنطنیہ کی شہر پناہ کو توڑا جا سکتا۔ مورخین نے یہ لکھا ہے کہ بہت سی زبردست منجنیقیں لشکر کے ہمراہ روانہ کی گئیں۔ مگر نتائج سے یہ صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ وہ درحقیقت زبردست ہوتے ہوئے بھی بیکار ثابت ہوئیں۔ اگر خلیفہ اس تیاری کے وقت حدیثی اُصولوں کے بموجب اپنے مخبروں کے ذریعے دشمنوں کی تیاریوں سے باخبر ہوتا۔ تو اوّل تو وہ ایسی منجنیقیں تیار کرتا۔ جو قلعہ شکن ہوتیں۔ اور دوسرے وہ اپنے لشکر کو آگنی گولوں سے بچانے کا پہلے تدارک سوچتا اور پھر پیشقدمی کرتا۔ یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم نے تدبیر کو تقدیر پر اہمیت دی ہے۔ لہٰذا خلیفہ نے حدیث کے نہایت اہم اُصول پر عمل نہ کیا۔ چونکہ تدبیر نامکمل تھی۔ اس لیئے کامیابی کا حصول یقینی ہونا ممکن نہ تھا۔

یہ پہلے ہی مرتبہ کی بات نہ تھی۔ کہ مسلم فوجوں کو موسم کی شدت کا مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ بلکہ اس کا تجربہ ان کو پہلے بھی ہو چکا تھا۔ جب ہم مورخین کی اس دلیل کو کہ "برف، بارش اور شدید سردی عربوں کے لیے ناقابل برداشت تھی"۔ صداقت اور انصاف کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں تو ہمیں مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ مسلم مورخین نے جانبداری سے کام لیا ہے۔ اور مغربی مورخین نے ضرور کسی مقصد کے لیے مسلم مورخین کے اس بیان کی تصدیق کی ہے۔ مثلاً ہم میں یہ کمتری پیدا کرنے میں کہ مسلم مجاہد صرف خاص قسم کی آب و ہوا میں کامیابی سے لڑ سکتے ہیں۔ تو یہ مغربی مورخین کی بہت گہری چال ہو سکتی ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے لشکر نے خالدؓ کی سربراہی میں اس سے کہیں زیادہ سرد اور برفانی، پہاڑوں میں نہایت کامیابی سے لڑائیاں لڑی تھیں۔ اور اس لشکر کے مجاہدین خاص حجاز کے باشندے تھے جنہوں نے برف باری کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی تھی۔ علاوہ ازیں خالدؓ اس قدر جلد اور تیزی سے محاذ اور میدان جنگ بدلتے رہے کہ انکو کبھی یہ موقع نہ ملا کہ مجاہدین کو باقاعدگی سے کسی خاص قسم کے موسم کا عادی بنا سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ حضرت امیہؓ اور اُن کے جانشینوں کے لشکر موبائیل (چلتی پھرتی) قسم کی لڑائیاں نہیں

لڑ رہے تھے۔ بلکہ وہ ایک جگہ پر جم کر دشمن کے قلعے کا محاصرہ کیے ہوئے تھے اور مسلمہ کا لشکر تو کئی برس تک ایک پڑاؤ پر رہا، جہاں اُس نے مکانوں اور غاروں کی رہائش کے انتظامات کو بہت خاطر خواہ طریقہ سے منظم کر لیا ہوا تھا۔ اُن کے پاس سامان رسد و حرب کے ذخائر تھے اس کا مقابلہ اُن حالات سے کیجئے۔ جو خالدؓ کی فتوحات کے ایام میں تھے۔ نہ زر تھا نہ رسد۔ اسلحہ بھی کم تھا۔ ان باتوں پر غور کرنے سے ہمارا عقدہ کھل جاتا ہے کہ مجاہدین خالدؓ کے تحت اس لیئے کامیاب ہوئے تھے۔ کہ وہ اشاعتِ اسلام کا جذبہ لیئے ہوئے تھے۔" اُن کا جہاد فی سبیل اللہ تھا۔ مگر مسلمہ کی جدو جہد نفس کی کمزوریوں سے وابستہ تھی۔

آرام طلبی جفاکشی:۔ یا یہ کہیئے، کہ بنو اُمیہ کی فوج آرام طلب ہو گئی تھی۔ لہٰذا جسم فربہ تر تھا۔ اسی وجہ سے وہ شدید سردی کو برداشت نہ کر سکے۔ یہ مصنف فرانس کے میدانِ جنگ میں اس قسم کے حالات سے گذر چکا ہے۔ جہاں محض عزم کی بنا پر ہی موجودہ مغربی پاکستان کے میدانی علاقے کے باشندے خوشی خوشی فرانس کی شدید برف باری اور برف کے ساتھ ہی بہت موسلا دھار بارش اور ہوائی طوفان کو معمولی قسم کے خیموں میں گذار سکے۔ مگر جب ہم نے اپنے تحت کشمیر کے محاذ پر مجاہدین کو ننگے پاؤں اور نہایت ہی قلیل کپڑوں سے استقلال و عزم سے ہندی فوج کے خلاف لڑتے دیکھا۔ تو ہمیں تعجب نہ ہوا اور ساتھ ہی یقین ہو گیا کہ ہندی فوج ہمارا مقابلہ اس لیئے نہیں کر سکے گی۔

کہ اس کے لیئے سامراجی نظام کے آرام و آسائش کا سامان مہیا کر دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں ہمیں یہ ذہن نشین کرنا چاہیئے۔ کہ جن ایام میں مستعصمہ محاصرہ کی جنگ لڑ رہا تھا۔ انہی ایام میں حضرت محمد بن قاسم بلوچستان اور ایران کے برفانی اور شدید سرد علاقوں میں جہاد کر رہے تھے اور طارق اندلس کے برفانی پہاڑوں میں جنگ کر رہے تھے۔ ان دونوں سالاروں کے لشکروں نے سردی اور سرد ہواؤں کا مقابلہ اس کامیابی سے کیا کہ اُن کے لشکروں کا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔

اسی بنا پر ہم اپنے مخالفین قیصر و کسریٰ کی فوجوں کے مقابلے میں خلفائے راشدین کے عہد حکومت کے لشکروں کے یعنی اسلحہ و آلات حرب کی کمی کو دیکھتے ہیں۔ اور اُن کو کثیر التعداد اور بہترین مسلح فوج پر جب فتحیاب پاتے ہیں۔ تو پھر ہم مسلم مورخین اور مغربی مؤلفین کی اس وجہ کو کہ رُوما کا اسلحہ بہتر تھا۔ رَد کر دیتے ہیں۔ کہ یہ وجہ معقول نہیں ہے۔

بہر حال جس جنگ سے ہم بحث کر رہے ہیں۔ اس میں اسلامی سپہ سالار اور امیر البحر نے اپنی فوجوں کو حربی فنون کا ماہر نہ بنایا تھا مثلاً

۱۔ سپہ سالار نے اپنے مختلف برّی اور بحری دستوں کو یکجہتی سے نہ لڑایا۔ ایک مسلم سالار نے دوسرے مسلم سالار کے ساتھ تعاون کرنے کی اہمیت کو نہ سمجھا" ہم اس لیئے لکھ رہے ہیں تاکہ ہم نکتہ چینی

کرتے وقت اعتدال سے تجاوز نہ کر جائیں۔ ورنہ غالباً ہمیں یہ لکھنے کا حق ہے کہ اُن کو اس اہم دفاعی اُصول کی اہمیت معلوم ہی نہ تھی۔ وہ ناواقف تھے۔ اور سالاری کے لیے موزوں نہ تھے۔ ورنہ جس وقت اسلامی بحری بیڑے نے حملہ کیا تھا تو بری لشکر کو اپنی بحری فوج کی مدد پر آنا چاہیئے تھا اور اُن کو دشمن پر باعزم حملہ کر کے لیو کی توجہ کو بانٹ دینا چاہیئے تھا۔

۲۔ اگرچہ تاریخ یہ بتانے سے خاموش ہے۔ کہ مسلمہ کس طرح اپنا لشکر تو سلامتی سے لے گیا لیکن ہمیں یہ ضرور معلوم ہے کہ اسلامی بحری بیڑہ تباہی سے نہ بچ سکا۔ یہاں پر بھی ہم اسلامی سپہ سالار مسلمہ کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتے۔ کیونکہ اُس کے لیے لازمی تھا کہ بحری اور برّی دستوں کو میدان جنگ سے ہٹانے کا ایسا منصوبہ تیار کرتا۔ کہ دونوں دستے ایک دوسرے سے تعاون کر سکتے اور بوقت ضرورت ایک دوسرے کے کام آ سکتے۔ گیلو پولی سے ۱۹۱۶ء میں اتحادی برّی اور بحری دستوں کا سلامتی سے نکل جانا دفاع کا ایک بہترین سبق ہے۔

۳۔ قسطنطنیہ کی تسخیر میں ناکامیاں یہ ثابت کرتی ہیں۔ کہ اسلامی لشکروں کے بہت سے اُمراء رُوحانی اعتبار سے کسی بڑی عظمت کے مالک نہ تھے۔ تشدد، جبر، ظلم اور سخت گیری اُن کا شیوہ بن چکا تھا ورنہ اسلامی لشکروں سے عیسائی کمک کا اتنی بڑی تعداد میں غدّاری کر کے الگ ہو جانا اور لیو کے پاس مع ساز و سامان چلے جانا اور مسلمہ کا

بے خبر رہنا ناممکن تھا۔

۴۔ دو قسم کے لشکر:۔ ایک اور اہم سبق یہ بھی ہے۔ دنیا میں دو قسم کی فوجیں ہوتی چلی آئی ہیں:۔

۱۔ ایک سامراجیت قسم کی۔ جو کہ جبر، تشدد، زبردستی سے بھرتی کی جاتی ہے۔ اور اس فوج کے ذمہ یہ کام دیا جاتا ہے۔ کہ عوام کو حکومت کی سیاسی پالیسی کے مطابق چلائے اور بوقت ضرورت آزاد منش یا غیرت مند عوام کو کچل دے۔ تاکہ ظلم کے برداشت کی طاقت عوام میں قائم نہ رہے۔

اس قسم کی فوج کئی قسم کے جبری بھرتی کے قوانین سے منظم کی جاتی ہے۔

۲۔ دوسری قسم کی فوج جہاد فی سبیل اللہ کی ہے۔ اس فوج کو اسلامی نقطۂ نظر کے لحاظ سے ملت کی خدمت وحفاظت اور فلاح وبہبودی کے لیئے قائم کیا جاتا ہے۔ یہاں فوج میں بھرتی جبری نہیں ہوتی۔ بلکہ عوام عسکری خدمت کو بلند پایہ سمجھ کر اس میں خوشی خوشی سعادت حاصل کرنے کے لیئے شامل ہوتے ہیں۔ ایسی فوج کے مشغلے کو "جہاد" کہتے ہیں۔ یہ لشکر امن کے زمانے میں قوم کی فلاح کے حصول کے لیئے مشغول رہتا ہے۔ اور جنگ کے ایام میں ملک کو ہر طرح سے محفوظ رکھتا ہے۔ یا یوں کہیئے کہ لشکری اپنے ملک کو دشمن کے ہر قسم کے شر سے بچاتے ہیں۔

وہ لشکر جو مسلمہ کے ساتھ تھا۔ وہ پہلی قسم کا تھا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ عباسی خلیفہ معتصم باللہ کے زمانے میں قسطنطنیہ پر پھر ۲۲۳ھ میں حملہ

ہوا۔ یہ پانچواں اسلامی حملہ بھی ناکام رہا۔

ہوشیار دشمن جس نے اسلامی طریق جنگ پر عمل کیا

ہم اپنے بیان کی دلیل میں قسطنطنیہ کے لشکر کی کامیابی کو پیش کرتے ہیں جس کی وجہ یہ تھی۔ کہ رُوما کے قیصر نے اپنی وہ شکستیں جو اُن کو شروع شروع میں ہوئیں۔ تو اُس نے ان پر غور کیا۔ اور چند اہم اسلامی جنگ کے اُصولوں پر عمل کیا۔ مثلاً :۔

۱۔ مذہب کی طرف آنے کی دعوت۔ قیصر نے ہر بار یہی اعلان کیا۔ کہ عیسائی مذہب خطرے میں ہے۔ لہٰذا تمام ملک کے پادری اور عوام مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے یکجا ہو جاتے۔ یہی نہیں بلکہ ہر بار قیصر روما نے یورپ کے مسیحی رہنماؤں اور حکمرانوں سے مدد طلب کی اور ہر بار اسے مدد ملی۔ در اصل یہ فلسفۂ جہاد کی نقل تھی اور اب یہی پادری لوگ میدان جنگ میں جہاد کے بالمقابل سپہ سالار بن کر آئے تھے۔

۲۔ رُوما والوں نے روغن نفط کے استعمال میں جدت پیدا کر کے اُس کے استعمال کو زیادہ مؤثر بنا دیا۔ اور روغن نفط جو کہ عرب والوں کا آلہ تھا اب اس کا نام "یُونانی آگ" رکھا۔ لہٰذا مغربی دُنیا نے اس آلہ کو ہمیشہ مغربی ایجاد کہا۔ ہم اہل مغرب کی دُور اندیشی کی داد دیتے ہیں۔ کہ اُنھوں نے اس لیے نقل کو اصل بنایا کہ مغربی اقوام میں اپنی برتری کا احساس قائم رہے اور عربوں کا دھیان اس راز کی تہ تک

نہ پہنچنے پائے۔ علاوہ ازیں وہ مسلسل شہر پناہ کو قوی تر بناتے رہے۔ تعجب تو یہ ہے کہ انہی ایام میں محمد بن قاسم نے روغن نفظ کو ہندوستان میں کامیابی سے استعمال کیا۔ اور مسلمہ اس آلہ کے استعمال سے ایسے بے خبر تھے۔ کہ دشمن کے خلاف استعمال کی بجائے اپنی حفاظت بھی نہ کر سکے۔

۳۔ تمام معرکوں میں رُوما کے سپہ سالار اپنی دانشمندی سے جب کبھی حالات اُن کے مخالف ہوئے۔ تو مصلحانہ گفت و شنید کو شروع کر کے نازک وقت کو ٹال دیا اور اس التوائے جنگ کی وجہ سے وہ اپنی جنگی کمزوریوں کو پورا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ کامیابی اسلامی لشکروں کے سپہ سالاروں کی نا اہلیت کی زبردست دلیل ہے۔

۴۔ رُوما کے سپہ سالار مسلسل اپنے بچاؤ کے لیے نئے منصوبے تیار کرتے رہے اور مناسب موقعوں پر اپنی فوج کو قلعہ کی چار دیواری سے نکال کر مسلمانوں کے لشکروں سے لڑاتے اور اُن کے حوصلے بلند کرتے رہے۔ دُوسرے لفظوں میں وہ اصلی معنوں میں اسلامی مدافعانہ طریق جنگ کی بنا پر یہ لڑائی لڑے۔

۵۔ علاوہ ازیں رُوما والوں نے پراپیگنڈہ کے ہتھیار کو کامیابی سے استعمال کیا اور اُن کے مخبر اسلامی لشکروں کے مخبروں سے کہیں زیادہ بے باک اور قابل تھے۔

۶۔ خاقان نے جب عربی لشکر کی بڑی جمعیت کو دیکھ کر حضرت

ابوبکرؓ سے مدد مانگی تھی۔ تو آپ نے ایک قابل صحابیؓ کو بھیجا تھا۔ تاکہ خالدؓ اور اُن کے لشکریوں کی رُوحانی طاقت کو مضبوط تر بنائے۔ اس ضمن میں نپولین نے کہا تھا۔ کہ "دشمن پر فتحیابی حاصل کرنے کے لیے صرف ایک آدمی کی ضرورت ہے۔" اس بیان سے اُس کا منشا یہ تھا۔ کہ اگر سپہ سالار قابل ہوگا۔ تو فوج کو فتحیابی حاصل ہوگی۔

قسطنطنیہ پر رُوسی حملے ۸۶۵ء سے لے کر ۸۸۲ء کے درمیانی عرصہ میں رُوسیوں نے قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی غرض سے چار بار حملے کیئے۔ مگر ہر بار ناکامی کا سامنا ہوا۔

ہنگری کے بادشاہ نے ۹۴۲ء میں قسطنطنیہ کو فتح کرنے میں اپنی قسمت آزمائی۔ مگر اُس کی قسمت نے بھی کوئی یاوری نہ کی۔

برطانیہ کا بادشاہ رچرڈ رچرڈ ۱۱۸۸ء میں ایک زبردست صلیبی لشکر لے کر اپنے ملک سے فلسطین کو فتح کرنے کی غرض سے روانہ ہوا۔ ۱۱۸۹ء کے اگست کے مہینے میں جب وہ یُونانی شہر فلیپو پولس میں پہنچا، تو اُسے معلوم ہوا کہ قسطنطنیہ کے قیصر اسحاق (ISAAC) نے سلطان غازی صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلحنامہ پر دستخط کر دیئے ہیں اور قیصر نے اس صلحنامہ کی رُو سے جرمنی کے سفیروں کو قید کر دیا ہے۔ اس لیئے رچرڈ نے اپنے رشتے کے بھائی ہنری کو برطانیہ سے بُلا بھیجا۔ اور اُسے ایک بہت زبردست بحری بیڑہ دے کر قیصر کو سزا دینے

کے لیئے اور قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی غرض سے بھیجا۔ یہ برطانوی بحری بیڑہ جب مارچ ۱۱۹۰ء کو قسطنطنیہ کے قریب پہنچا۔ تو قیصر روما نے ہنری سے صلح کرلی۔ ہنری کے صلیبی لشکریوں نے قلعہ کی شہرپناہ کے باہر کی عیسائی آبادی کو بُری طرح سے لوٹا۔ مگر پرانا شہر اور محلات اس لُوٹ مار سے اس لیئے بچ گیے۔ کیونکہ وہ قلعے کے اندر تھے۔

قسطنطنیہ پہلی بار فتح ہوا ۱۱۹۷ء میں جب جرمنوں کا صلیبی لشکر اپنے وطن کو واپس لوٹ گیا۔ تو سلطان العادل نے اپنے کھوئے ہوئے علاقے اور شہروں پر قبضہ کرلیا۔ اس خبر کی بنا پر فرانسیسی پادری نے نئے سرے سے صلیبی جنگ کو شروع کرنے کی تحریک جاری کردی۔ اس تحریک کو کامیاب بنانے کی غرض سے وہ برطانیہ کے بادشاہ رچرڈ اور فرانس کے بادشاہ کے پاس گیا۔ مگر دونوں بادشاہوں نے انکار کردیا۔ مگر پوپ انیوسینٹ سوئم اور فرانس کے بہت سے اُمرا نے فلک کی مدد کرنے کی حامی بھری۔ لہذا ۱۲۰۱ء میں ایک جم غفیر یورپ میں جمع ہونا شروع ہوگیا۔ اُس میں یورپ کے سب ملکوں کے چھوٹے بڑے نائٹ صلیبی جنگ میں حصہ لینے کے لیئے اپنے لشکروں سمیت آگیئے۔ لیکن چونکہ اس لشکر کے جمع ہونے میں بہت دیر لگی۔ لہذا پادری فلک اپنی ناکامی کے غم میں مرگیا۔ مگر اپنی جمع کردہ بے شمار پونجی اس لشکر کے مصارف کے لیئے چھوڑ گیا۔

یہ لشکر ایک بڑے طوفان کی مانند تھا۔ اور "زارا" شہر کے پہنچے تک اس نے اس قدر لوٹ مار کی کہ سب اطراف کے عوام سہم گیے۔ زارا شہر کو فتح کرنے کے بعد یہ لشکر قسطنطنیہ پہنچا۔ قسطنطنیہ شہر کو صلیبیوں نے جھوٹے اقراروں اور عیاری سے فتح کر لیا اور فلانڈر کے امیر بالڈون کے سر پر تاج رکھ دیا۔ اس فتح کے بعد صلیبیوں نے دل کھول کر شہر کو لوٹا اور یہ غارت گری صرف اس وقت ختم ہوئی۔ جبکہ شہر کے اندر کچھ باقی نہ رہا تھا۔ مثلاً شہر کے جو لوگ قتل ہونے سے بچ گیے۔ وہ شہر کو چھوڑ کر بھاگ گیے۔ مقتولوں کی تعداد ہزاروں میں تھی اور تمام گرجے اور راہب خانے لوٹ لیئے گیئے تھے۔ تمام پرانی یادگاریں جو کہ پیتل کے بتوں میں بنی ہوئی تھیں۔ ان بتوں کو پگھلا کر وہ اپنے ساتھ لے گیئے۔ تمام قیمتی آرٹ اور بیش بہا قدیمی اشیا اور وہ خزانے اور جواہرات جو کہ ہزارہا سال سے جمع کیئے گیئے تھے۔ صلیبیوں کے ہاتھ آئے۔

وینس کے شہر میں آجکل بھی ہیپوڈروم کا وہ بت موجود ہے جو کہ تانبے۔ چاندی اور سونے کا بنا ہوا ہے۔ جسے صلیبی اپنے لشکر اپنے مال غنیمت میں لے گیئے تھے۔ قسطنطنیہ کے اس مقام پر جہاں یہ بت تھا۔ اب صرف دو ستون باقی رہ گیئے جو اس بات کی یاد دلاتے ہیں۔ کہ ان پرانی یادگاروں کو قسطنطین شہر ڈلفی سے اس لیئے اٹھا کر لایا تھا۔ تاکہ اس شہر کی زینت کو بڑھائے۔ لیکن صلیبی لشکر نے ان ستونوں کو بھی خزانوں کی تلاش میں توڑ پھوڑ دیا۔ اس مقام پر کئی پل

موجود ہیں۔ جو اُن نہروں پر بنائے گئے تھے۔ جو اس میدان کو لالہ زار بناتے تھے۔ ترکوں نے اس میدان کو پھر گلستان بنا دیا۔ اس طرح سے محلات کے کھنڈرات جن کو ترکوں نے محفوظ رکھنے کی مسلسل کوشش کی ہے۔ اُس زمانے کے شاہی شان و شوکت کو آجکل بھی پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ ترکوں نے یہاں پر بھی باغات بنا دئے ہیں۔ اس جگہ کئی خوبصورت اور قیمتی یادگاریں بنی ہوئی تھیں۔ اور ان محلات کی دیواروں پر دھاتوں سے بنی ہوئی مورتیاں تھیں۔ مگر اب ان دیواروں کی خالی جگہیں ان مورتیوں کی عدم موجودگی کی یاد دلاتی ہیں۔ بعض مقامات کو تو صلیبی لشکروں نے ایسا نقصان پہنچایا تھا۔ کہ اب صرف ماہر تاریخ دان ہی اُن کی بزرگی اور عظمت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

اس شہر کی بہترین عمارت سینٹ صوفیا کا گرجا تھا۔ جو کئی صدیوں پرانا تھا۔ گو یہ عمارت تو غارت گری سے بچ گئی۔ مگر اس گرجے کا سب سامان اور زر و جواہر کے خزانے صلیبی لشکری لوٹ کر لے گئے اور کتب خانے جلا دئے۔

جہاں شہر کی عورتیں بے حرمتی کا شکار ہوئیں۔ وہاں پر راہب خانوں کی ننیں (NUNS) بھی عصمت دری کا شکار ہوئیں۔ بقول مغربی مورخین "صلیبی لشکر نے ایسی بربریت کی مثال قائم کی جس کی نظیر نہیں ملتی"۔

۱۲۶۱ء تک بالڈون کا خاندان قیصر روما رہا۔ مگر اس کے بعد پھر آرمینی قوم کا بادشاہ اس حکومت پر قابض ہوا۔

قسطنطنیہ کی فتح کیلئے مسلمانوں کی مسلسل جدّو جہد اور کروسیڈی جذبہ

قسطنطنیہ کی فتح کے حالات لکھنے سے پہلے ہم یہ مناسب سمجھتے ہیں۔ کہ اُن حالات کا ذکر کریں جو کہ مسیحی اور اسلامی دُنیا کے تھے اُس زمانے کی مسیحی دُنیا کے حالات ہم مسٹر آرچر اور کنگز فورڈ کی مشترکہ تصنیف کردہ کتاب صلیبی جنگ میں سے لے رہے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :-

"یہ کہنا سراسر غلط ہوگا۔ کہ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ جب عکا ۱۲۹۱ء میں تیسری بار مسلمانوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ تو یورپ پر اس حادثہ نے گہرا اثر نہ کیا۔ پوپ "نیکولاس" خاص طور سے عکا کو دوبارہ فتح کرنے کے لیئے نہایت ہی خواہشمند تھا۔ اس کی دلی آرزو اور تمنّا یہ تھی۔ کہ عکا کی بازیابی کی بنا پر صلیبی جنگ لڑنے کا اعلان کیا جائے۔ اگرچہ پوپ نے انتہائی کوشش کی۔ مگر وہ یورپ کے شہزادوں یا عوام کے جذبات کو اس درجہ نہ اکسا سکا۔ کہ وہ صلیبی جنگ لڑنے کے لیئے تیار ہو جاتے۔ صحیح بات تو یہ ہے۔ کہ لوگ سنجیدگی اور عزم کے ساتھ اس اہم ذمہ داری کو سر پر لینے کے لیے رضامند نہ تھے۔

جب صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو فتح کیا تھا اور

جب خلیل نے عکا کو فتح کیا۔ تو ان دونوں فتوحات کے مابین ایک صدی کا زمانہ گزر گیا تھا اور اس صدی میں یورپ میں عجیب و غریب تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئی تھیں پیپسی (مسیحی راہنماؤں) نے اپنے غلط اقدام سے جن کا نام انہوں نے کروسیڈ (صلیبی جنگ) رکھا تھا۔ اس کی مدد سے پہلے تو عیسائی سلطنتوں کا خاتمہ کیا۔ اور پھر مسیحی مغربی دُنیا میں نفاق و عناد کا بیج بو کر آپس کے باہمی اتفاق کا خاتمہ کر دیا۔ پیپسی کے اقتدار نے مغربی مسیحی دُنیا کی قوموں کو جُدا جُدا کر کے ان سب کو الگ الگ خودمختار حکومتوں میں بانٹ دیا تھا۔

حقیقت تو یہ ہے۔ کہ اس طرزِ عمل سے اُن کے اپنے وقار کو نہایت ہی کاری زخم لگا۔ کیونکہ جب مسیحی راہنماؤں نے اپنے مقدس عہدوں کو سیاسی وقار کے حصول کے لیئے بیچ دیا۔ تو وہ اپنے اخلاقی عزت و وقار کو کھو بیٹھے۔ اُن کو اُس جدّوجہد کا نعم البدل صرف سیاسی اقتدار کا "سایہ" ملا۔ یا یُوں کہیئے کہ وہ اپنے دینی اور دُنیاوی اقتدار کو کھو بیٹھے۔ مگر اپنی خوش فہمی کی وجہ سے صحیح واقعات کو سمجھنے سے قاصر رہے۔

آئندہ صدی ایسی تھی۔ جس میں فرانسیسی اور برطانوی اقوام میں مسلسل خانہ جنگیاں ہوتی رہیں۔ ان دونوں اقوام کے مسیحی رہنما دست بہ گریباں تھے اور عوام بے بسی کے عالم میں۔ لہٰذا ان حالات میں مغربی دُنیا میں کوئی ایسی طاقت نہ تھی۔ جو کہ کروسیڈ کے جھنڈے تلے مسیحی عوام کو یکجا کر سکتی۔ ... ... ۔ ان ایام میں عثمانی ترک روما کی مملکت کے

علاقوں پر بتدریج قبضہ کر کے اپنی سلطنت کو بڑھاتے جا رہے تھے
چودھویں صدی عیسوی کے اختتام تک بایزید ایلدرم نے بلغاریہ
اور سربیا کو فتح کر لیا ہوا تھا اور اب وہ ہنگری کی حکومت کو ختم کرنے
فکر میں تھا۔ چونکہ خطرہ نہایت ہی قریب آ گیا تھا۔ اس لیئے مغرب کی
مسیحی دنیا پھر سے اپنے حریف کے خلاف لڑنے کی غرض سے جمع
ہو گئی۔ سنہ ۱۳۹۶ء میں جنگجو فرانسیسی نائٹوں کا عظیم دستہ کونٹ ڈی نیورز
کے تحت سربیا کے "لالہ زار" کی مدد کے لیئے گیئے۔ مگر نیکوپولس کے مقام
پر ان کو شکست فاش ہوئی۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ بایزید ایلدرم
قسطنطنیہ کو فتح کرنے میں ناکام رہا۔ مگر ایلدرم کی یہ ناکامی مسیحی بہادروں
کی ہمت و دلاوری کی وجہ سے نہ تھی۔ بلکہ اس ناکامی کا باعث تاتاری
سلطان تیمور کی طاقت و اقتدار تھا .... " (اس مغربی مصنف نے
معلوم نہیں کیوں ہنگری کی بجائے سربیا لکھا ہے۔ کیونکہ سربیا کا
بادشاہ ترکوں کا حلیف بنا رہا اور بہت عزم سے ترکوں کی طرف
سے لڑا ـــــ مصنف)

اسلامی دنیا

اس وقت اسلامی دنیا میں بھی بہت زبردست
انقلاب ہو رہا تھا۔ خلافت نام کی رہ گئی تھی چنانچہ
جب خلافت بیجان ہو گئی اور وہ اسلام کی سیاسی مرکزیت کو سنبھالنے
کے قابل نہ رہی۔ تو اللہ تعالےٰ نے خلافت کی کمزوری کا تدارک کرنے
کے لیئے چند اور ایسی حکومتیں پیدا کر دیں جنہوں نے اس فرض کو

باحسن وجوہ انجام دیا۔ مثلاً افریقہ کے اغالبہ خاندان نے بحرِ روم کے مشہور اہم جزیرے فتح کر لیئے۔ سلجوقیوں نے اناطولیہ پر قبضہ کر کے روما کو بہت کمزور کر دیا۔ غزنوی اور غوریوں نے ہندوستان فتح کیا اور آلِ عثمان نے اسلامی دنیا میں نیا باب کھولا۔

قیصر روما پندرہویں صدی میں

پندرہویں صدی کے آغاز میں بازنطینی حکومت بہت سے مقبوضات کے چلے جانے کی وجہ سے بہت چھوٹی رہ گئی تھی۔ عثمانی حکومت نے ایشیا کوچک اس سے چھین لیا تھا۔ یلدرم نے اب اپنا دارالخلافہ بروصہ میں بنا لیا تھا۔ اور بحیرہ باسفورس کے ایشیائی ساحل پر شہر اناد کو پر نہایت مضبوط قلعہ تعمیر کر کے عثمانی حکومت نے اپنے دارالخلافہ بروصہ سے تمام مشرقی علاقہ پر اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا۔

بروصہ کے مغرب کی طرف عثمانی لشکر درّہ دانیال کو عبور کر کے بلقان کے علاقے میں گھس کر دریائے ڈنیوب کے ساحل تک پہنچ چکا تھا۔ اس طرح عثمانی حکومت قسطنطنیہ کے مغرب کی طرف تقریباً ایک سو چالیس میل کے فاصلے تک ساحل پر قابض ہو گئی تھی۔ اس وجہ سے قیصر صرف تھریس کے علاقے یا اس کے گرد و نواح میں سے ہی کمک یا سامان رسد وغیرہ حاصل کر سکتا تھا یا یوں کہیئے کہ بازنطینی حکومت اب عثمانی حکومت کے اندر ایک جزیرے کی مانند تھی قسطنطنیہ

جو کسی زمانے میں بہت ہی زبردست تجارتی اور مالدار شہر تھا اور جس
شہر کی خوبصورتی کی شہرت عالمگیر تھی اور جو مسیحی حکومت کا ہزار برس
سے زائد ایک نہایت ہی اہم مستقر تھا۔ اب حالت نزع میں تھا
سب سے کاری زخم بازنطینی حکومت کو صلیبی لشکروں نے لگائے اور
جب انہوں نے سنہ ۱۲۰۴ء میں اس پر قبضہ کر لیا۔ تو اس وجہ سے یونانی
اور یورپ کے مسیحی پیروؤں میں نہایت سخت عناد ہو گیا اور حقیقت تو یہ ہے
کہ بلقان میں بلغاری، سربی، البانی۔ ولاچی وغیرہ ریاستیں کروسیڈی
مظالم کی بنا پر قائم ہوئیں اور اب ان عوام میں قومی جذبہ پیدا ہوا۔ ۱۲۶۱ء
میں قیصر مائیکل نے قسطنطنیہ کو دوبارہ صلیبیوں سے چھین لیا۔

سنہ ۱۳۸۹ء میں ایلدرم نے قیصر روما کو شہر پناہ کے کئی میناروں کو
منہدم کرنے پر مجبور کیا تھا اور ساتھ اندر کے قلعے کی تعمیر بازنطینی
حکومت کے گلے میں ایک زبردست گرفت کی مانند تھی۔ اگر ۱۴۰۲ء
میں ایلدرم سلطان تیمور کے ہاتھوں مارا نہ جاتا۔ تو قسطنطنیہ کی قسمت
کا فیصلہ غالباً اسی وقت ہو گیا ہوتا۔ مگر قدرت نے قیصر کو بارہ سال ایسے
دے دیے جس میں وہ پھر سے دفاعی تیاری کر سکا۔ کیونکہ ایلدرم کے لڑکے
خانہ جنگیوں میں مصروف تھے۔

قیصر نے اس عرصہ میں بے شمار مال و سامان حرب جمع کیا۔ شہر پناہ کو
صرف مرمت ہی نہ کیا۔ بلکہ اس میں ترمیم بھی کی۔ اور اس خیال سے کہ
اس کی دفاعی تیاریوں کا پتہ نہ چلے اس نے قسطنطنیہ کے شہر کے اندر

تمام بسے ہوئے مسلمانوں کو نظر بند کر دیا۔ علاوہ ازیں اُس نے ترکی جرنیلوں کو رشوت کے لالچ پر اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ اس کے ساتھ ساتھ اُس نے یورپ میں مدد حاصل کرنے کی بھی کوشش جاری کر دی۔

قسطنطنیہ کا قلعہ

اُن ایّام کا قلعہ موجودہ شہر اُسلام بول سے بہت مختلف تھا۔ موجودہ خوبصورت فوارے۔ شاہی عجائب خانے اور باغات محمد ثانی کے ایام میں بنائے گئے۔ ۱۲۶۱ء میں جب یہ شہر قیصر مینول کے ہاتھ آیا۔ تو اس وقت اُس کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ کیونکہ صلیبی لشکری تمام خزانے لوٹ کر لے گئے تھے۔ یونانی چرچ گلیساؤں اور راہب خانوں کو بھی لوٹ کر لے گئے تھے اور وہ تمام یادگاریں جو مختلف دھاتوں کی روما کے قیصروں نے بنوائی تھیں، اُن کو اُٹھا کر یورپ لے گئے۔

"ہپوڈروم" جہاں رومی کھیل کرتب کیا کرتے تھے اور جہاں تمام دنیا کے مشہور پہلوان اور شمشیر زن وغیرہ جمع ہو کر مقابلے کیا کرتے تھے۔ یورپ کے صلیبیوں نے اُسے تباہ و برباد کر دیا۔ کیونکہ وہاں پر اکثر پیتل اور دھاتوں سے مڑھے ہوئے ستون تھے۔ ان دھاتوں کو اُکھاڑتے وقت انہوں نے ستونوں کو بھی بیدردی سے گرا دیا تھا۔ اُن میں سے چند بچے ہوئے ستون ابھی تک اُن تباہیوں کی یاد دلاتے ہیں۔ وہاں پر تالاب اور نہریں تھیں۔ ان پہ تلکے چونکہ دھاتوں کے بنے ہوئے تھے۔

لہٰذا صلیبیوں نے دھاتوں کو حاصل کرنے کے لالچ کی غرض سے ان کو برباد کر دیا۔ محمد ثانی نے ان میں سے چند نالابوں کو پھر سے درست کر کے نہریں نکالیں اور ہپوڈروم کو ایک زمین دوز باغ میں تبدیل کر دیا۔ گو سینٹ صوفیا کے گرجے کی عمارت تو بچ گئی۔ مگر اس گرجے کے زر و جواہر یورپ چلے گئے اور ان میں بعض آجکل بھی مختلف گرجاؤں میں نظر آتے ہیں۔ یہ گرجا سات صدیوں تک تو بطور گرجا استعمال ہوتا رہا لیکن محمد ثانی نے اسے مسجد میں تبدیل کر دیا اور چار صدیوں تک مسجد بنا رہا۔ مگر آجکل یہ ایک عجائب گھر بنا دیا گیا ہے۔ یونانی چرچ کے ہزار ہا گرجے تھے۔ مگر وہ بھی صلیبی لشکریوں کے تعصب کے غضب سے نہ بچے اور یونانی چرچ کی صرف عبادت گاہیں باقی ہیں۔ جن کو محمد ثانی نے پھر سے آباد کروایا تھا مثلاً سینٹ سیوریر کے مقام خورہ میں کنیسہ اور منگولوں کا تعمیر کردہ سینٹ میری کا گرجا جو کہ مُخلوتیہ میں ہے۔

ہم نے یہ تفصیلی بیان اس غرض سے لکھا ہے کہ اس طرح سے ہمیں پتہ چل جائے۔ کہ جن ایام میں محمد ثانی نے قسطنطنیہ کو فتح کیا وہاں پر عوام کے جذبات کیا تھے۔ مثلاً یونانی باشندے یہ نہ بھولے تھے کہ اُن کے ہزار ہا ہم وطن یونانی یورپ کے صلیبی لشکریوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ اُن کی عورتوں کی عصمت دری کی گئی تھی۔ اُن کے گھروں کو لوٹ کر جلا دیا گیا تھا اور بہت سے غلام اور لونڈیاں بنا

یورپ بھیج دیئے گئے تھے۔

چونکہ بہت سے حصے کے مکانات جلا دیئے گئے تھے، اس لئے شہر کا کافی رقبہ غیر آباد ہوگیا تھا اور آبادی جگہ جگہ اُن مقامات میں سمٹ کر آگئی تھی۔ جہاں کے حصے اس غارت گری سے محفوظ رہے تھے۔ شہر کی فصیل کے اندر باغات کافی تھے۔ جن میں زیتون اور پھلدار درخت تھے۔ مگر اب یہ باغات تباہ ہوگئے تھے۔ ان وجوہات کی بنا پر یونانی چرچ اور روم کے چرچ کے پیروں کے درمیان سخت عداوت ہو گئی تھی۔ شہر میں بہت سی مخلوط اقوام کے لوگ آباد تھے۔ اُن میں یونانی نسل کے لوگوں کی اکثریت تھی۔ مگر آرمینی نسل کے بھی کافی افراد تھے۔ لہٰذا انہوں نے بھی اپنے عقیدے کے مطابق اپنے گرجے بنا لیئے تھے۔

قسطنطنیہ کی شہر پناہ

قسطنطنیہ کی حفاظتی فصیل کو ان تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا فصیل کا وہ حصہ جو گولڈن ہارن سمندری ساحل کے ساتھ ساتھ چلا جاتا ہے۔ دوسرا وہ حصہ جو بحیرہ مارمورا کے ساحل کے ساتھ چلا جاتا ہے۔ تیسرا وہ حصہ جو خشکی کی طرف تھا۔

قلعہ کی حفاظت

تمام شہر کے گرد فصیل تھی۔ جس کی بنیاد تقریباً 4 میٹر چوڑی تھی اور یہ دیوار 13 میٹر اونچی تھی۔ فصیل ½19 کیلو میٹر لمبی تھی۔ اس کی نگرانی چار سو برج کرتے تھے۔ اور فصیل میں پچاس دروازے تھے۔ اس فصیل کے گرد ایک عمیق خندق تھی۔ جو کہ 5 سے ۵ ۲ میٹر چوڑی تھی اور یہ خندق سمندر

سے ملا دی گئی تھی۔ ہاں صرف ایک حصہ بہت بڑے پہاڑوں کی وجہ سے سمندر سے نہیں ملایا گیا اس شہر پناہ فصیل کے اندر ایک اور دیوار تھی جو کہ 8 میٹر اونچی تھی۔ اور ان دونوں دیواروں کے درمیان 12 سے لے کر 15 میٹر کا فاصلہ تھا۔ اس درمیانی فاصلے کو "پرپولوس" کے نام سے پکارتے تھے۔ اس درمیانی فاصلے کا مقصد یہ تھا کہ اگر دشمن کسی وجہ سے خندق اور پہلی شہر پناہ کو عبور کر لے۔ تو اس محدود زمین میں دشمن کے جو سپاہی داخل ہو جائیں۔ اُن پر جوابی حملہ کر کے اُن کو وہیں ختم کر کے دشمن کی پیشقدمی کو اُسی جگہ روک دیا جائے۔ اس جوابی حملہ کا صرف قائمی منصوبہ ہی تیار نہ کیا گیا تھا۔ بلکہ اس حملے کی برابر مشق کی جاتی تھی۔

اندرونی فصیل کو اصلی فصیل اور بچاؤ کا مستقر سمجھا جاتا ہے۔ اس فصیل میں ۹۶ حفاظتی برج ایسے بنائے گئے تھے۔ جسے ناقابل تسخیر کہا جاتا تھا۔

"شہر پناہ کی کمزور جگہ"۔ شہر کی حفاظت و پناہ کی سب سے کمزور جگہ اُس کا درمیانی حصہ تھا۔ یہی وہ جگہ ہے۔ جہاں محمد ثانی نے اپنا پڑاؤ ڈالا تھا۔ شہر پناہ کا یہ حصہ چونکہ نہایت دشوار گزار پہاڑی علاقوں میں ہے۔ یہاں نہ تو خندق تھی اور بحیرۂ ماموره کی جانب شہر پناہ کی دیوار اس لیے زیادہ مضبوط نہیں بنائی گئی تھی۔ کیونکہ قیصر روما کو اپنے بحری بیڑے اور قلعے کی منجنیقیں اور یونانی آگ پر بہت زیادہ اعتماد تھا اور پھر سمندر اس فصیل کا پاسبان تھا۔

جس مقام کے قریب محمد ثانی نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ اُسے آج کل "توپ کاپی" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

اڈرین گیٹ سے قسطنطین کے (قدیم) محلات کے قریب فصیل کو زلزلے سے بہت نقصان پہنچا تھا۔ اس حصے کو دغا یا غدّاری کی وجہ سے اچھی طرح سے مرمت نہ کیا گیا تھا۔ یہی ایک مقام تھا۔ جسے "کرکو پورٹا" کے نام سے پکارتے ہیں۔ جہاں ۲۷ رمئی کو پچاس جاں نثاروں کا دستہ داخل ہو کر نزدیک کے بُرج پر پہلے قابض ہو گیا تھا۔ اور عثمانی جھنڈا جس پر ہلال کا نشان تھا۔ آویزاں کر کے شہر بھر کو مایوسی کا شکار بنا دیا تھا۔ "توپ کاپی" کے پاس توپ کے چند وہ گولے محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ جن کی مدد سے فصیل کو توڑا گیا تھا۔ علاوہ ازیں قیصر رُوما نے قسطنطنیہ کے شہر کی بندرگاہ کو ایک موٹی زنجیر لگا کر مضبوط بنا دیا تھا۔ اس زنجیر کی وجہ سے دشمن کا جہاز قسطنطنیہ کی گودی میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے علاوہ چونکہ سمندر میں موجوں میں طوفان کی وجہ سے تلاطم رہتا تھا۔ لہٰذا اکثر دشمن کے جہاز اس زنجیر سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتے تھے۔

ان تیاریوں کے ساتھ ساتھ قیصر قسطنطین نے محمد ثانی کے پاس بہت سے بے بہا تحفوں کے ساتھ اپنا سفیر بھیجا۔ علاوہ ازیں قیصر نے ہلیل پاشا، شہاب احمد پاشا کے پاس اپنے سفیر اس غرض سے بھیجے، کہ اگر وہ اُن کو بہت کثیر رقم تحفتاً (یعنی رشوت) دے گا۔

مگر قیصر کے سفیر ہر مقام سے ناکام پھرے۔ اُسے اسی ناکامی کا مُنہ دیکھنا پڑا جس کا اُسے ڈر تھا۔ لہٰذا اُس نے سلطان کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔

قیصر کی سراسیمگی قیصر قسطنطین یازدہم ۱۴۵۱ء میں جب تخت نشین ہوا تھا تو گو وہ دل میں ترکوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے ہراساں تھا۔ مگر قیصر کہلوانے کے لیئے وہ بڑی سے بڑی مصیبت کو برداشت کرنے کو تیار تھا۔ لہٰذا اب پہلے وہ پوپ اعظم روما کے پاس مدد کے لیئے گیا۔ تاکہ جس طرح سے ہو سکے۔ وہ یورپ سے پھر صلیبی جنگ کا اعلان کرائے۔

کروسیڈ کے لیئے شرائط: پوپ اعظم اس موقع کے لیئے پہلے ہی سے تیار تھا۔ اور وہ یونانی چرچ کو ختم کرنے کی فکر میں پہلے ہی تھا۔ درحقیقت یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ کیونکہ جب سے رُوم اور قسطنطنیہ کے چرچ الگ الگ اور خود مختار ہو گیئے تھے۔ یہ بات رُوم کے پوپ کے لیئے نہایت ہی اندوہ ناک تھی۔ چنانچہ اسی بنا پر صلیبی لشکروں کے سپہ سالار بادشاہوں نے قسطنطنیہ پر کئی بار یلغار بھی کی تھی اور اُسے فتح کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ لہٰذا پوپ نے قیصر کے سامنے یہ شرط پیش کی۔ کہ وہ قیصر کو صرف اُسی وقت مدد دے سکتا ہے۔ جب قیصر دونوں چرچوں کو ملا دینے پر رضامندی دیدے۔ قیصر پر یہ مثال بالکل صادق آتی تھی۔ کہ "مرتا کیا نہ کرتا"۔ اپنی

سیاسی حالات کی نزاکت کی بنا پر اُس نے قسطنطنیہ کے اسقف اعظم کی مرضی اور مشورہ کے بغیر یہ شرط مان لی۔

یورپ کا کارڈنیل سینٹ صوفیا میں

۱۴۵۲ء میں پوپ اعظم کا نمائندہ

کارڈنیل (نائب پوپ) "اسیڈ ور" نے رُوم کے چرچ کے رسومات کے بموجب لاطینی زبان میں تمام مذہبی رسومات ادا کیں۔ اور سینٹ صوفیا گرجا میں یہ پہلا موقع تھا۔ کہ یونانی زبان کی بجائے لاطینی زبان میں وعظ کیا گیا اور روم کے چرچ کی رسومات ادا کی گئیں۔

اس رسم کی ادائگی کے وقت قیصر قسطنطین اور اسقف اعظم گریگوری ماس اپنی قدیمی شان و شوکت اور احتشام سے صوفیا گرجے میں آئے۔ جیسا کہ وہ اپنے چرچ کی خالص سالانہ عبادت کے لیئے آیا کرتے تھے۔ اس وجہ سے سلطنت کے تمام اُمرا اور رؤسا اور رعایا سب وہاں پر موجود تھے یہ قدرتی امر ہے کہ رُوم کی لاطینی رسومات کا صوفیا کے گرجا میں ادا کرنا قیصر، اسقف اعظم اور رعایا سب کے لیئے ایسا ہی تھا۔ جیسا کہ کسی نے اُن کے دل کے اندر خنجر بھونک دیا ہو۔ یُونانی چرچ کے راہب تو زار زار رونے لگے۔ اور ڈیوک نوٹرس تو غضب کے عالم میں پکار اُٹھا:۔

"ہمیں رُوم کے کارڈنیل کی بجائے ترکوں کی غلامی منظور ہے"

عوام نے بھی اپنے چرچ کی بے حرمتی کو بہت محسوس کیا۔

نائٹ گسٹیانی بہرحال اس طرزِ عمل کی وجہ سے اٹلی کا بہت ہی ماہر جنگجو نائٹ گسٹیانی کئی سو نائٹوں کو جنگی جہازوں پر لے کر قسطنطنیہ میں قیصر کی مدد کے لیئے پہنچ گیا۔ یہ مدد پوپ نے اپنی طرف سے بھیجی تھی۔ یہ اطالوی جرنل تمام یورپ میں فنِ سپہ گری اور قابلیت کی بنا پر مشہور تھا۔ لہٰذا اُس نے آتے ہی قسطنطنیہ کی فصیل اور برجوں کو پھر سے مضبوط کروانا شروع کر دیا۔

ترکی شہزادہ ارہان:۔ علاوہ ازیں قیصر نے ترکی کے کئی پاشاؤں کو روپے کا لالچ دے کر خرید لینے کی کوشش کی۔ گو قیصر کو اس میں کوئی نمایاں کامیابی تو نہ ہوئی لیکن پھر بھی مُراد ثانی کا بھائی 'ارہان' قیصر کے پاس پناہ گزیں ہو گیا۔ ارہان درحقیقت مُراد ثانی کی جگہ خود بادشاہ بننا چاہتا تھا۔ مگر محمد ثانی نے اُسے شکست دے کر بھگا دیا تھا۔ ارہان ایک بہادر اور جنگجو سالار تھا۔ لہٰذا اس وجہ سے بھی قیصر کو کافی تقویت ہوئی۔

قیصر کے لیے کمک پوپ نے صلیبی جنگ کے لیئے تمام یورپ میں پادری بھیجے۔ گو نکو پولس' اور 'وردارنہ' کے مقامات کی لڑائیوں میں شکستِ فاش کھانے کی وجہ سے تمام یورپ کے اُمرا اور حکمرانوں کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ پھر بھی قیصر کے پاس کچھ نائٹ مدد کے لیئے آ گئے۔ مگر رسد و سامان حرب تو کئی جگہ سے کافی مقدار میں قسطنطنیہ پہنچ گیا۔

محمدؔ ثانی کی دفاعی تیاری

محمدؔ ثانی نے بذاتِ خود قسطنطنیہ کے گرد و نواح کا معائنہ اس غرض سے کیا۔ تاکہ مقامی حالات کا جائزہ خود لے۔ اس معائنہ کے بعد اُس نے یہ اقدام اٹھائے :۔

۱۔ اپنے دارالخلافہ کو بُروصہ سے ایڈریانوپلؔ میں منتقل کیا۔
۲۔ سلطان نے امیروس، لیمنوسؔ کے جزائر پر اس غرض سے قبضہ کر لیا تاکہ قیصر روما کے حلیف ان مقامات پر اپنا بحری اڈہ قائم نہ کر لیں۔
۳۔ سلطان کے اپنے بحری بیڑے مستقل طور سے یہاں پر مقیم رہے امیر البحر بٹلوگبلو (بلغاری نسل) اس بیڑے کا امیر مقرر ہوا۔

محصور (BLOCKADE) :۔ (۴) سلطان ایلدرم نے اناطولیہ میں سمندر کے ساحل پر ایک قلعہ اس غرض سے تعمیر کیا تھا۔ تاکہ ٹریبیزانڈ (TREBIZOND) کی حکومت کو قیصر روما کی مدد کرنے سے روک سکے۔ ان علاقوں سے جہازوں میں بے حساب غلّہ قسطنطنیہ کے لیئے آتا تھا۔ مگر ایلیدرم کی توپوں کی مار اتنی لمبی نہ تھی۔ کہ وہ دشمن کی جہازرانی کو روک سکے۔ اس لیئے محمدؔ ثانی نے اس قلعے نامی حصارؔ کے بالکل مقابل یورپ کے سمندری ساحل پر ایک نیا قلعہ تعمیر کیا۔ چونکہ یہاں پر آبنائے سمندر کی چوڑائی بہت کم ہے۔ اس لیئے یہ قلعہ بہت کارآمد ثابت ہوا۔ اس قلعے سے دوسرا مقصد یہ حاصل ہوا۔ کہ

سلطان نے دونوں عیسائی حکومتوں کو علیحدہ علیحدہ کر دیا اور محمدؐ ثانی نے پہلے قسطنطنیہ کو فتح کیا اور پھر قیصر کی اس معاون حکومت کو جو کہ 250 برس سے زائد عرصہ سے بہت سے مسلم فاتحین کا مقابلہ کرتی رہی تھی فتح کیا۔

اس قلعہ کا نام "رومیلی حصار" رکھا گیا۔ یعنی یورپی قلعہ' یا بالفاظ دیگر یہ ایسا قلعہ تھا جس کی مدد سے بازنطینی حکومت کو محصور کر لیا گیا۔

اس قلعے کو تفصیل سے بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس لیئے کچھ حال قلمبند کر رہا ہوں۔

"رومیلی حصار": مورخ کرٹبولوس لکھتا ہے۔ کہ سلطان نے بہت چھان بین کے بعد موجودہ قلعے کی جگہ کو اس لیئے چنا۔ کہ یہاں پر آبنائے کی چوڑائی بہت ہی کم تھی۔ اور وہ اپنی توپوں کی مدد سے بحر اسود (بلیک سی) سے جہازوں کی آمدورفت پر قابو پا سکے۔

سلطان نے خود قلعے کی داغ بیل ڈالی۔ اس کے بعد تمام برجوں اور میناروں کے فاصلے قائم کر کے مناسب مقامات پر ان کے نشانات قائم کیئے۔ اس کے ساتھ اُس نے فصیل کی بنیاد کی چوڑائی مورچوں اور دمدموں کی مضبوطی کے متعلق فیصلہ کیا۔ ساتھ ہی تمام دروازوں کی جگہ متعین کی۔ غرضکہ ہر ایک ضروری کام پر گہرائی اور تفصیل سے غور کرنے کے بعد احکامات جاری کیئے۔ تین اہم برجوں کی تعمیر اپنے تین

پاشاؤں (ہلیل - زغانوس - سریدجا) کے سپرد کی - اور سمندر کی طرف کے حصّے کی تعمیر اپنے ذمّے لے لی - اس کے بعد اُس نے کاریگروں کو جلد ترین اور مضبوط تعمیر کرنے کے احکامات دئے اور ان کی حوصلہ افزائی کے لیئے فیاضانہ مزدوری اور انعامات دینے کا وعدہ کیا۔ سلطان نے موسم بہار میں اس کام کو شروع کیا - اور بے شمار دولت اور نہایت محنت کر کے اس قلعے کی چار دیواری کو موسم گرما کے ختم ہونے سے قبل پورا کر دیا۔ صحیح طور سے یہ کہنا مشکل ہے - اس کام میں کتنے ماہ صرف ہوئے یعنی چار ماہ یا پانچ ماہ - البتہ کتبہ سے ظاہر ہے - کہ یہ قلعہ وسط اگست ۱۴۵۲ء بمطابق رجب ۸۶۵ھ میں ختم ہوا - اس کتبہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے - کہ اس قلعہ کی تکمیل کا کام وزیر اعظم زغانوس پاشا کے ذمّے تھا - دوسرے مورخین یہ لکھتے ہیں - کہ صرف جنوبی برج کی تعمیر کی ذمہ داری زغانوس پاشا کے ذمّے تھی - شمالی برج کی تعمیر سریدجا پاشا کے ذمّے تھی - اور وہ برج جو سمندری ساحل کی طرف تھا - اُس کی تعمیر ہلیل پاشا کے ذمّے تھی - ہلیل پاشا ہی سلطان محمد ثانی کا سب سے پہلا صدر اعظم یعنی وزیر اعظم تھا - یہ قلعہ بہت بڑے بڑے پتھروں کو نہایت ہی کاریگری سے مضبوط جوڑ کر تعمیر کیا گیا تھا - اور اس کے مختلف حصّوں کو سیسہ اور لوہے اور اسی قسم کی دھاتوں کی مدد سے مضبوط ترین بنایا گیا تھا - (خصوصاً بنیادوں میں ان چیزوں کے استعمال کی تصدیق ہو گئی ہے)

اس قلعے کی حفاظت کے لیئے بہت ہی بلند برج اور مینار بنائے گئے تھے اور جگہ جگہ دمدمے اس قلعے کی پاسبانی کرتے تھے۔ فصیل کی دیواریں بہت ہی مضبوط اور مستحکم تھیں۔ مثلاً وہ 2 فٹ چوڑی اور تقریباً 5 فٹ بلند تھیں۔ مگر سب سے قابل ذکر بات یہ ہے۔ کہ یہ قلعہ دور سے قلعہ نظر نہیں آتا تھا۔ بلکہ ایک عام شہر کی طرح سے معلوم ہوتا تھا۔

یہ قلعہ تکونا شکل کا تھا اور اس کا ایک کونہ پہاڑ کی طرف تھا۔ جو کہ سب سے بلند حصہ تھا۔ اور یہاں سے قلعہ سمندری ساحل کی طرف ڈھلوان میں چلا جاتا تھا۔ یہ تینوں برج اس تکونے کے تینوں کونوں پر تھے جن کو مضبوط فصیل سے ملا دیا گیا تھا۔ مگر یہ برج اس تکونے سے باہر کی طرف اس لیئے تعمیر کر دیئے گئے تھے۔ تاکہ یہ برج تیروں اور توپ کی گولہ باری سے ایک دوسرے کی مدد کر سکیں۔ اس تکونے کی بنیاد یعنی (قاعدے کی لکیر) سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ تھی اور یہاں پر جا بجا چھوٹے چھوٹے برج تعمیر کیئے گئے تھے۔ اس طرح سے سلطان کا مقصد یہ تھا۔ کہ وہ سمندر میں دشمن کی جہاز رانی کو بھی ختم کر دے اور ساتھ ہی بڑے برجوں کی مدد سے خشکی کی طرف سے دشمن کے جانبازوں کو آگے بڑھنے سے روکنے میں کامیاب ہو سکے۔ اس قلعے کو ایک طرف تو دشمن پر حملہ کرنے کی غرض سے تعمیر کیا تھا۔ دوسری طرف اس قلعہ کو اس طرح سے تعمیر کیا تھا۔ کہ وہ بہت بڑی تعداد کے دشمن کا مقابلہ کامیابی سے کر سکے۔ اسی لیئے اس کے اپنے بچاؤ کا منصوبہ اسی

خیال کے مدِنظر تیار کیا گیا تھا۔ مثلاً اُونچے بُرجوں اور مِیناروں سے خشکی یا تری سے بڑھتے ہوئے دشمن پر تیر اور بھالے پھینکے جا سکتے تھے اور یہ بُرج اپنے سے نیچے کے بُرجوں یا دمدموں کی مدد پتھروں کی بُوچھاڑ سے بھی کر سکتے تھے۔ کیونکہ تمام قلعہ اُن کی نظروں کے نیچے تھا۔ لہٰذا وہ بوقت ضرورت اپنے ساتھیوں کی مدد کر سکتے تھے قلعے کی سب سے بھاری اور دُور مار کی توپیں ساحل کی طرف لگائی گئی تھیں۔ اور یہ توپیں دمدموں کے سُوراخوں کے بیچ میں سے چاروں طرف گولہ اندازی کر سکتی تھیں۔ یہ قلعہ اس قدر مضبُوط تھا۔ کہ اسے آج تک کسی نے تسخیر نہیں کیا۔ ہاں موسم اور کس مپرسی کی وجہ سے اب یہ قلعہ کھنڈرات کی حالت میں ہے۔

۵۔ سلطان محمّد ثانی نے اپنے بحری بیڑے کو قسطنطنیہ کے سمندر کے راستوں سے ناکہ بندی کرنے کے بعد سلطان نے قسطنطنیہ کے شہر کی فصیل کے محاصرے کے محاذ کو مختلف حصّوں میں تقسیم کر کے ہر حصّہ کو ایک سالار کے ذمّے کر دیا۔ وہ سالار یہ تھے۔ زغانوس پاشا۔ کردجا پاشا۔ الحاق پاشا اور محمود پاشا۔

توپوں کی ساخت

سلطان نے ایڈریانوپل کے قلعے میں جو اُس کا پائیہ تخت بھی تھا۔ اب بھاری توپیں بنوائی شروع کیں۔ یہ توپیں اُن توپوں سے زیادہ بھاری گولے چلا سکتی تھیں جنہیں مُراد ثانی نے قسطنطنیہ کی فصیلوں کے خلاف ناکامی سے استعمال

کیا تھا۔ ان توپوں کے بنانے کا طریقہ گو فی زمانہ دقیانوسی معلوم ہوگا۔
مگر وہ اس لیئے بیان کا محتاج ہے۔ کہ اس طرزِ عمل سے سلطان
کی جدّت و ہمت اور عزم کا پتہ چلتا ہے۔

سب سے پہلے کاریگر مٹی میں مختلف اشیا ملا کر توپ کی نال
کا ناپ تیار کرتے تھے۔ پھر اسی قسم کے اجزا سے ملی ہوئی مٹی سے
بیرونی خول کو تیار کر کے اُس میں گرم گھلے ہوئے تانبے کو اس سانچے
میں اُس وقت تک ڈالتے جاتے تھے۔ جب تک یہ کالبد اس دھات
سے بھر نہیں جاتا تھا۔ اس کے بعد جب یہ دھات ٹھنڈی ہو جاتی
تھی۔ تو پھر توپ کی نال کو پہیوں پر فٹ کرتے تھے۔ یہ توپیں بہت
بھاری تھیں اور ہر ایک توپ کو کھینچنے کے لیے ساٹھ بیل درکار ہوتے
تھے۔ چونکہ یہ علاقہ بہت پہاڑی اور دشوار گذار تھا۔ اس لیئے سلطان
نے محاصرہ شروع کرنے کے بعد توپوں کو عین اُن مقامات کے قریب
بنانا شروع کیا۔ جہاں اُن کو کام میں لانے کا ارادہ تھا۔ تاکہ پہاڑ پر
کھینچ کر لانے کی محنت سے چھٹکارا مل جائے۔ یہ توپیں آجکل بھی اسلام
بول میں موجود ہیں اور محمد ثانی کی جدّت اور کارنامہ کی زبردست گواہ
ہیں۔ سلطان کے مؤرخین نے ان کو 'توپ' کا نام اس وقت نہ دیا
تھا۔ بلکہ یہ نام بعد کی ایجاد ہے۔ سلطان کے مؤرخین نے اسے 'منجنیق'
'فاتح بلدیات' وغیرہ جیسے ناموں سے موسوم کیا ہے۔ ان توپوں میں
'بارود' استعمال کی گئی تھی۔ اور بعض مغربی مؤرخین نے اسے جرمنی

کے کاریگروں کی ایجاد بیان کیا ہے۔ جیسا ہم پہلے اسلحہ جنگ میں لکھ چکے ہیں۔ کہ بارود کی ایجاد سب سے پہلے (عرب) مسلمانوں نے کی۔ اور بارود چند بوٹیوں کی راکھ، گندھک۔ شورہ، کوئلہ کو ملا کر تیار کی جاتی تھی (ریگستان میں یہ بوٹیاں خود رو حالت میں بکثرت ملتی ہیں) پاکستان میں اسے سجی وغیرہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور صابن کی جگہ کپڑے دھونے کے کام میں بھی لاتے ہیں۔ اس بارود کو جب خشک حالت میں توپ کی نال میں بھر دیا جاتا تھا۔ تو فلیتے سے آگ لگانے میں ایک زبردست گیس نکلتی تھی۔ جو اپنے سامنے کی رکاوٹ یعنی پتھر کے گولے کو زور سے آگے کی سمت دھکیل دیتی تھی۔ اور نال کی سیدھ اور نشست اور زاویہ کے لحاظ سے گولہ ایک مقرر راستہ اختیار کر لیتا تھا۔

سائنس کے اس سادہ اور آسان اصول کو جسے پہلے آتشبازی میں پہلے پہل استعمال کیا گیا۔ انہی مسلمانوں نے سب سے پہلے توپ خانے کے بارود کی صورت میں کامیابی سے استعمال کیا۔

یہی اصول ہے جس کی راہبری سے بڑی مار کی توپیں جرمنی کے V.I اور V.II آلات حرب اور آجکل "گائیڈڈ میسائل" (جنہیں امریکی ماہر نہایت ہی کارگر اور با اثر ہتھیار تسلیم کر رہے ہیں) جیسے آلات حرب ایجاد کیئے جا رہے ہیں۔

ان توپوں کے گولوں نے شہر پناہ کو تو نقصان پہنچایا مگر برجوں کے

اُوپر ان کا کچھ اثر نہ ہوا۔ سلطان کے حکم سے گولہ اندازوں نے ایک برج پر تقریباً ایک ہی مقام پر ستر گولے پھینکے۔ مگر یہ گولے اُس برج کا کچھ نقصان نہ کر سکے۔ اس کی وجہ پروفیسر وان ویلنگن نے یہ بتائی ہے۔ کہ اطالوی جرنل گستیانی نے تمام ایسے مقامات جہاں قلعہ کے بچاؤ کو مستحکم رکھنا ضروری تھا۔ وہاں پر اس تجربہ کار جرنل نے دیواروں کے سامنے لکڑیوں کے بڑے بڑے لٹھے باندھ کر کھڑے کر دیے تھے۔ اور ان کے اُوپر نمدہ رکھ کر چمڑہ مڑھ دیا تھا۔ اس طرح ترکوں کے گولے کا زور تو اس محافظ جگہ پر پڑا۔ لیکن برجوں کی دیواریں نقصان اٹھانے سے بچ گئیں۔

بحری لڑائی

قیصر رُوما نے گو تمام یورپ کے بادشاہوں۔ نائٹوں اور پوپ اُرُوم سے مدد کی درخواست کی تھی۔ مگر مُراد ثانی کی شکست نے اُن کے حوصلے پست کر دیئے تھے۔ پوپ نے اپنی ذاتی فوج میں سے کچھ نائٹ پہلے بھیجے تھے۔ اب اس نے تیس بحری جہازوں میں مزید کمک وہاں اس لیئے بھیج دی کہ قیصر بار بار اپنی مدد کے لیئے پوپ اعظم اور یورپ کے بادشاہوں کے پاس اپنے سفیر بھیج رہا تھا۔ پوپ نے بڑا بحری بیڑہ بھیجنے سے قبل تین جنگی جہاز سپاہیوں اور رسد سے بھرے ہوئے بطور ہراول بھیجے۔ سلطان کے مخبروں نے اُن کو جزیرہ چیوس کے قریب دیکھ لیا۔ سلطان نے اپنے امیر البحر بلٹو گیلو کو حکم دیا۔ کہ تمام بحری بیڑے کو

اپنے ہمراہ لے جائے۔ تاکہ دشمن کے جہازوں کو پکڑ کر لے آئے اور اگر وہ اس کام میں ناکام رہا۔ تو پھر اپنی صورت کبھی نہ دکھلائے۔"

اطالوی جنگی جہاز ترکی جنگی جہازوں کے مقابل بہت بڑے تھے۔ اور وہ تین منزلے تھے اور اُن کے ستونوں کے گرد کٹہرے بنے ہوئے تھے۔ جن پر تیر انداز اور منجنیق اور گوپھیے سے پتھر پھینکنے والے بٹھائے گئے تھے۔

دست بدست لڑائی

ترکی جہاز تیز رفتار ہونے کی وجہ سے آگے بڑھ کر اطالوی جہازوں کو گھیرے میں لینے میں جب کامیاب ہو گئے۔ تو ترکوں نے اپنے جہازوں کو اطالوی جنگی جہازوں کے ساتھ ملا دیا۔ اب ترکی بحری سپاہیوں میں سے بعض تو اطالوی جہازوں کو آگ لگانے میں کوشاں ہوئے بعض کلہاڑیوں اور تیشوں سے اطالوی جہازوں کے تختے کاٹنے لگے۔ تاکہ سوراخوں کے راستے سے اطالوی جہازوں پر سوار ہو کر دست بدست لڑائی کریں۔ تیر انداز اور بلّم والے لڑنے میں مصروف ہو گئے کئی جگہ اطالوی جہازوں میں آگ بھڑک اٹھی۔ اطالوی چونکہ بلندی پر تھے۔ لہٰذا انہیں ترکوں پر آگ کے جلتے ہوئے گولے پتھر۔ تیر۔ بھالے پھینکنے میں بہت آسانیاں تھیں۔ ترک جہاں ان کے جہازوں کو آگ لگاتے۔ وہ بلندی پر بھرے ہوئے برتنوں سے پانی پھینک کر اسے بجھا دیتے گو اطالوی سپاہیوں کو بلندی کی طرف سے مدد مل رہی تھی۔ مگر پھر بھی

تعداد میں کم تھے۔ اور ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ کہ ترکی بحری بیڑہ اطالوی بیڑے پر غالب آ رہا ہے۔

سانحہ

عین اُس وقت سمندر میں سخت تند ہوا کے ساتھ طوفان آیا۔ ترکی بیڑے کی کشتیوں کے بادبان ہوا سے بھر گئے اور تمام ترکی بیڑہ منتشر ہو گیا۔

سلطان اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر سمندر کے ساحل پر اس جنگ کو دیکھ رہا تھا۔ اور جب اس نے اپنا بیڑا منتشر ہوتے دیکھا تو اپنے گھوڑے کو چابک لگایا اور وہاں سے چلا گیا۔

اطالوی بحری بیڑے کے تینوں جہاز قسطنطنیہ میں داخل ہو گئے۔ شہر والوں نے بھی یہ لڑائی دیکھی تھی۔ لہٰذا اس غیبی مدد نے اُن کے حوصلے بہت ہی بلند کر دیے۔

سلطان نے بٹلو گیلو کو بلا بھیجا اور اُس سے بحری بیڑے کی شکست کا جواب طلب کیا۔ بٹلو گیلو کو آنکھ پر پتھر لگا تھا۔ لہٰذا وہ زخمی ہو گیا تھا۔ اُس کے زخمی ہونے کی خبر اور طوفان آنے کی وجہ سے ترکی بیڑہ منتشر ہو گیا تھا۔ سلطان نے بٹلو گیلو کی موت کی سزا تو معاف کر دی۔ مگر اُسے امیر البحر کے عہدے سے بزدلی اور کم ہمتی کے الزام کی بنا پر برطرف کر دیا۔ اور حمزہ کو امیر البحر کے عہدے پر مامور کر دیا۔

حمزہ کی کامیابی

امیر البحر حمزہ فوراً چیوس جزیرے کی طرف اپنے ترکی بحری بیڑے کو لے کر بڑھا۔ للہٰذا اطالوی

بیڑے کے تیس جہاز پیچھے ہٹ گئے اور ان جہازوں نے جب دوسری بار قسطنطنیہ جانے کا ارادہ کیا۔ تو اس وقت تک قسطنطنیہ فتح ہو چکا تھا۔ لہٰذا وہ چیوس کے جزیرے سے واپس چلے گئے۔ اطالوی بحری بیڑے کے چلے جانے کے بعد امیر البحر حمزہ نے قسطنطنیہ کی بندرگاہ میں داخل ہونے کی چند بار کوشش کی۔ مگر بندرگاہ کی محافظ زنجیر کے باعث داخل نہ ہو سکے۔

سلطان کا دفاعی منصوبہ

سلطان محمد ثانی ایک بیدار مغز قابل جرنل تھا۔ اس نے نہایت باریکی سے قسطنطنیہ کی فتوحات کی ناکامیوں کے اسباب کا بغور مطالعہ کیا تھا۔ اسی لیئے اس نے یہ طے کیا تھا۔ کہ وہ بری اور بحری یعنی چاروں طرف سے قسطنطنیہ کی ناکہ بندی کرنے کے بعد اس قلعے پر چاروں طرف سے حملہ کرے گا۔ قلعے کو سر کرنے کے لیئے اس نے اس قدر بھاری توپیں بنوائی تھیں۔ جو کہ پہلے کسی نے تیار نہ کی تھیں اور تعداد میں بھی بہت زیادہ تھیں۔

اسی طرح سے بحری بیڑہ بھی اس نے نہایت ہی موزوں جگہ تعینات کر کے سمندر کی طرف سے ناکہ بندی کر دی تھی۔

تمام دفاعی انتظامات کی تکمیل اور ایام جنگ میں کمک، رسد اور سامان کے برابر پہنچانے کی غرض سے سلطان نے اپنا دار الخلافہ بروصہ کی بجائے ایڈریانوپل کر دیا تھا۔ تاکہ سلطان اور اسکے امرا میں ہر

وقت ربط قائم رہے اور ہر کام اُس کی ذاتی نگرانی میں پایۂ تکمیل تک پہنچے۔

عزم

جب سلطان نے یہ دیکھا کہ اُسے اُس کی اپنی خواہش کے مطابق کامیابی نہیں ہوتی۔ تو اُس نے ہمت ہارنے کی بجائے اپنی کوششوں کو اور بڑھا دیا۔ مثلاً اُس نے یہ حکم دے دیا۔ کہ اب توپیں عین میدان جنگ میں تیار کی جائیں۔ تاکہ وہ جلد سے جلد تیار ہو کر اپنے اپنے مورچوں میں لگائی جا سکیں۔ علاوہ ازیں اس طرزِ عمل سے یہ توپیں نہایت دُشوار گزار مقامات پر تیار ہونے کی وجہ سے شہر کی فصیل کے کمزور حصّوں پر گولہ باری کرنے کے قابل ہو گئیں۔ تیار شدہ توپوں کو ان مقامات پر لے جانا نہایت ہی کٹھن اور دیر کا کام ہوتا۔ مثلاً ان توپوں کے لے جانے کے لیئے پہاڑوں پر راستے بنانے پڑتے۔ لیکن بہت عمیق اور بڑی پہاڑی کی چوٹیوں پر اتنی بڑی تعداد میں توپیں لے جانا آسان کام نہ تھا۔ اس نئی تجویز سے اب توپیں مقررہ مقامات پر بننے لگیں۔

جدّت

خشکی کے راستے سے ناکہ بندی مکمل تھی۔ مگر بحری راستہ چیوس کی پہلی ناکامی اور دشمن کی مسلسل سرگرمیوں سے یہ ثابت ہو چکا تھا۔ کہ یہ راستہ ابھی تک پُوری طرح سے سلطان کے قبضہ میں نہیں ہے۔ قسطنطنیہ کی بندرگاہ کے دہانے پر زنجیر نے سلطان کے بحری بیڑے کو اس بندرگاہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔ یا یوں کہیئے کہ سلطان ابھی تک خشکی اور تری کی طرف سے قسطنطنیہ پر بیک وقت حملہ نہیں

کر سکتا تھا۔ مگر شہر پر تھوڑے سے تھوڑے جانی نقصان سے فتح صرف
اسی وقت ہو سکتی تھی۔ جب کہ دشمن کی فوج اپنے بچاؤ کے لیے چاروں
طرف لڑ رہی ہو۔ اس رکاوٹ پر قابو پانا نہایت ہی ضروری تھا۔
چنانچہ سلطان نے پہاڑ کی چوٹی سے سمندر کے ساحل تک ایک
پھسلواں راستہ جسے انگریزی میں "گلائیڈ وے" (GLIDE WAY)
کہتے ہیں۔ لکڑی کے تختوں سے بنوایا۔ یہ راستہ دولما بچے
(DOLMA BACHES) سے ٹیکسیم کے قریب سے ہوتا ہوا قاسم پاشا
کی وادی سے ہو کر گولڈن ہارن کی خلیج کے ساحل پر ختم ہوتا تھا۔ ساحل
کا یہ حصہ قسطنطنیہ کے قلعے کے پاسبانوں کی نظر سے اوجھل تھا۔ علاوہ ازیں
سلطان نے اس دفاعی کارروائی کو نہایت صیغۂ راز میں اس طرح
سے رکھا۔

۱۔ ۲۲ مئی کو سلطان نے قسطنطنیہ پر حملہ کر دیا۔ اور لڑائی دن رات
جاری رہی۔

۲۔ سب سے پہلے تمام ڈھلوان کے لیے تختے تیار کیے گئے اور کشتیاں
بھی پہاڑ کی چوٹی اور ڈھلوان کے قریب تیار کی گئیں اور سوائے چند
خاص امرا کے کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ سلطان یہ کشتیاں پہاڑوں کی چوٹیوں
پر کیوں بنوا رہا ہے۔ جب سب انتظامات مکمل ہو گئے اور ڈھلوان
بھی تیار ہو گیا۔ تو کشتیوں میں ملاح اور سپاہی سوار کر دیئے گئے اور
بادبانوں کی مدد سے اور ڈھلوان کی وجہ سے یہ جہاز سمندر کی طرف

پھسلتے اور لڑھکتے چلے گئے۔ مگر جہازوں کی تیزی سے پھسلنے کی رفتار کو رسیوں کی مدد سے کم کیا اور چپوؤں کی مدد سے جہازوں کو اُلٹنے سے بچایا۔

یہ قابلِ تعریف اور نہایت شاندار روایت ہے کہ سلطان نے ستر جہاز ملاحوں اور سپاہیوں سے لدے ہوئے بلا کسی حادثہ کے سمندر میں پہنچا دیئے۔ یہ واقعہ ۷ مئی اور ۲۵ مئی ۱۴۵۳ء کے درمیان ہوا۔

۳۔ علاوہ ازیں سلطان نے خلیج گولڈن ہارن کے دہانے پر ایک نیا پل تعمیر کر کے رُوما کے بحری بیڑے کو جو زنجیر کے اندر ابھی تک پناہ گزیں تھا۔ اب دو طرف سے حملہ کر کے خطرے میں ڈال دیا۔

قیصر کا اضطرابی اور دفاعی منصوبہ جیسے ہی رومیوں نے ترکوں کے یہ انتظامات دیکھے۔ تو وہ سخت حیران ہو گئے۔ اب اُنہوں نے اُس مقام (یعنی اینڈرین گیٹ کے قرب و جوار میں جہاں پر ترکی حملہ نہایت ہی شدت سے ہو رہا تھا۔ گو وہاں کے برج تو سلامت تھے۔ مگر بعض مقامات پر گولا باری سے دیواریں ٹوٹنے لگی تھیں) پر قلعے کے دوسرے حصوں سے فوجی دستے بطور کمک لا کر جمع کرنے شروع کیے۔ خلیج گولڈن ہارن کا یہ حصہ جو کہ تقریباً کئی ہزار گز لمبائی میں تھا۔ ابھی تک تقریباً خالی پڑا ہوا تھا۔ رومی بری فوج میں تعداد کی کمی کی وجہ سے رومی

بحری بیڑے کے بہت سے جنگجو ملاح بھی ترکوں کے حملوں کی مدافعت کے لیئے اب قلعے کے اس حصّے میں بطور کمک بھیج دیئے گئے۔

جب قیصر نے قلعے کے مختلف مقامات سے عجلت میں کئی دستے اس خالی مقام کی حفاظت کے لیۓ بھیج دیئے۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قلعے کی حفاظت کا انتظام بہت حد تک انتشار میں پڑ گیا۔

قیصر نے اینڈرین گیٹ کے بُرجوں اور اُس کے علاقے کا حفاظتی انتظام گسٹیانی اور اُس کے نائٹوں کے سپرد کر دیا تھا اور خود سینٹ رونیس گیٹ، کے علاقے میں لڑتا رہا۔ بہت سے مورخین کا یہ خیال ہے کہ وہ وہیں لڑتا ہوا مارا گیا۔

'گرینڈ ڈیوک لوکس نٹراس' اور باغی ترکی شہزادہ ارہان 'گسٹیانی کے دائیں اور بائیں پہلوؤں پر قلعے کی حفاظت کر رہے تھے۔

گسٹیانی کی فراری

۲۸ ، مئی کو سلطان نے آخری حملہ شروع کیا۔ گسٹیانی کے نائٹوں اور سلطان کے جاں نثاروں میں بڑا گھمسان کا رن پڑا۔ کیوں کہ رات کے وقت جاں نثاروں کا ایک دستہ دیوار کے شگافوں میں سے گھس کر قلعے میں داخل ہوگیا تھا۔ اس دست بدست لڑائی میں گسٹیانی کو کاری زخم لگا۔ اُس کے ساتھی نائٹ زخمی گسٹیانی کو اُٹھا کر پیچھے کی طرف لے گئے رومی مؤرخین نے لکھا ہے کہ گسٹیانی نے اپنے ساتھیوں کو ایسا کرنے سے منع کیا۔ اس موقع پر قیصر قسطنطین بھی پہنچ گیا۔ اور اُس نے یورپ

کے نائٹوں کو اُس وقت تک اپنی جگہ جم کر ثابت قدمی سے لڑنے کے لیئے بہت اصرار سے کہا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان نائٹوں کے دلوں میں صرف ایک خیال موجزن تھا۔ اور وہ یہ کہ جس طرح بھی اور جس قدر بھی جلد ممکن ہو گیسٹیانی کو لے کر اور جہازوں پر سوار ہو کر اٹلی کو واپس چلے جائیں۔ صلیبی نائٹوں نے قیصر کی ایک نہ سنی اور جہازوں پر سوار ہو کر بھاگ نکلے۔

قیصر کی موت

نائٹوں کے فرار ہونے سے قلعے کا کچھ حصہ خالی ہو گیا۔ علاوہ ازیں قیصر کے اپنے سپاہی بھی بھاگ نکلے۔ چونکہ قیصر کے پاس کوئی محفوظ دستہ کمک کے لیئے موجود نہ تھا۔ اس لیئے حالات نہایت ہی نازک ہو گئے۔ مگر قیصر اپنے محافظ دستے (باڈی گارڈ) کے ساتھ نہایت جوانمردی سے آخری دم تک لڑتا رہا۔

سلطان کا آخری حملہ

سلطان محمدؒ یہ سب حالات ایک بلند مقام سے دیکھ رہا تھا۔ لہٰذا اُس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ چاروں سمت سے آخری حملہ کرے اور خود بھی اپنے محافظ دستے کے ساتھ جاں نثار دستے کی مدد کو عین میدان جنگ میں پہنچ گیا۔ اور اُس نے بقول کریٹولوس اپنے سپاہیوں کو بار بار پکار کر یہ کہا کہ:۔

"دوستو! وہ دیکھو شہر ہمارے ہاتھ میں آنے کو ہے۔ دشمن ہمارے سامنے بھاگ رہا ہے۔ خبردار! اب وہ اپنے قدم دوبارہ جمانے

نہ پائے۔ قلعے کی فصیل اب دشمن کے سپاہیوں سے خالی ہے۔
ہاں بہادرو! آخری بار حملہ کرکے قلعے پر قابض ہو جاؤ۔ فتح تمہارے
قدموں میں ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں"۔

فتحیابی

بازنطینی فوج اس ترکی حملے کی تاب نہ لا سکی۔ قیصر قسطنطین اپنے باڈی گارڈ کے ہمراہ لڑتے لڑتے مارا گیا۔ بازنطینی فوج اپنے بادشاہ کے مارے جانے کی وجہ سے حوصلہ چھوڑ بیٹھی۔ شہزادہ ارہان نے جب بازنطینی فوج کو بھاگتے دیکھا تو اُس نے اب یہ کوشش کی۔ کہ جان بچا کر نکل جائے۔ مگر سلطان کے سپاہیوں نے اُسے پہچان کر اُس کا تعاقب کیا۔ گرینڈ ڈیوک نوٹراس بھی ترکی شہزادے کے ساتھ تھا۔ یہ دونوں فصیل سے اس غرض سے کودے۔ کہ سمندر کے راستے سے جان بچا کر لے جائیں۔ مگر وہاں پر سلطان کا وہ بحری بیڑہ جسے پہاڑی راستے سے سمندر میں بھیجا تھا موجود تھا۔ لہٰذا یہ دونوں ترکی بحری بیڑے کے افسروں کے ہاتھوں سے قتل ہوئے اور اُن کے سر اُتار کر سلطان کو پیش کیے گئے۔

شہر کی فتح کے بعد

جب شہر میں ترکی فوج داخل ہوئی۔ تو سلطان سب سے پہلے سینٹ صوفیا کے گرجے میں گیا۔ اور سجدۂ شکر بجا لایا۔ اس گرجے میں شہر کے بے شمار عوام دہشت و خوف زدہ ہو کر پناہ گزین ہوئے تھے۔ سلطان نے ان کو امان دی۔ یونانی عیسائی مورخ کریٹولوس

لکھتا ہے۔ کہ سلطان نے اس موقع پر بہت رحمدلی اور فیاضی کا ثبوت
دیا۔ اور اپنے لشکریوں کو قتل و غارت گری سے بشدت بسیار روکا۔
اپنے بیان کی دلیل میں وہ یہ دو اہم واقعات بیان کرتا ہے۔

۱۔ فتح کے فوراً ہی بعد سلطان نے اس بات کا اعلان کیا۔ کہ یونانی
چرچ پھر سے آزاد ہے۔ اور اُن کو از سرِ نو گرجے، کنیسے اور راہب
خانے اپنی عبادت کے لیئے دے دئیے۔ اس سلسلے میں یہ واقعہ
بہت اہمیت رکھتا ہے۔ کہ سلطان نے جارج سکالریاس جو یونانی
چرچ کا بہت ہی مشہور فاضل، عالم اور اسقف تھا نیز اپنی دانائی
میں بہت ہی مشہور تھا۔ اُسے عوام کی مرضی کے بموجب اسلام
بول بلایا۔ وہ قیصر سے دو گرجوں کے الحاق کی وجہ سے ناراض
تھا۔ اور اب ایڈریانوپل کے قریب ایک گاؤں میں گمنامی کی
زندگی بسر کر رہا تھا۔

سلطان نے اسقف جارج کو اپنے محل میں بہت احترام سے
بُلا کر اُسے نہایت ہی بیش قیمت سونے کی صلیب جو کہ جواہرات
سے مرصع تھی۔ یہ کہہ کر عطا کی کہ:۔

"اے اسقف اعظم امن و امان سے رہو اور تم جب تک خواہشمند
رہو گے، تم ہماری دوستی کے حقوق سے مستفید ہوتے رہو گے
اور تمہاری عزت و احترام پہلے سے بھی زیادہ ہوگی۔ اور تم کو
... ... فلاں ... ... فلاں جائداد اس غرض سے دی جا رہی ہے

کہ تم ہولی ایپاسٹل گرجے (CHURCH OF THE HOLY APOSTLES)
کی خدمت خوش اسلوبی اور اقتصادی دشواریوں سے بالاتر رہ کر
کرسکو۔ تمہارے عہدے کے جانشین بھی ان حقوق سے فیضیاب
ہوتے رہیں گے۔"

اس رسم کے بعد سلطان نے ایک نہایت قیمتی گھوڑا جس پر نایاب ساز و سامان تھا۔ اس غرض کے لیئے عطا کیا۔ کہ اسقف اعظم اپنے عہدے کے مطابق شان و شوکت سے اپنے مسکن کو واپس لوٹے یہی نہیں بلکہ اس رسمی ملاقات کے بعد سلطان کئی بار غیر رسمی طور سے اسقف اعظم سے ملنے کے لیئے اس کے مکان پر گیا۔ اور یہ ملاقاتیں کافی لمبے عرصے کے لیئے ہوتی تھیں۔
عیسائی عالم کو گمنامی سے نکال کر اس کے علم و فضیلت کے بموجب احترام کرنے سے سلطان کی عیسائی رعایا پر اس کا گہرا اثر ہوا۔ خصوصاً جبکہ سلطان نے اسقف اعظم کو بلا روک ٹوک اپنے مذہب کی اشاعت پر تقریریں کرنے کی بھی اجازت دے دی۔ سلطان کے اس طرز عمل کی تائید سپرنتیس اور ڈیپسلاٹس میں بھی مرقوم ہے۔

قیدیوں کی تعداد

اس یونانی مورخ نے لکھا ہے۔ کہ رومی اور اور صلیبی نائٹوں کو ملا کر کل چار ہزار کے قریب یونانی اس لڑائی میں مارے گئے یا قتل ہوئے اور تقریباً

پچاس ہزار سپاہی قید ہوئے۔ اس مورخ نے یہ لکھا ہے کہ اطالوی، جینوی اور دیگر صلیبی اور روما کے اپنے سپاہیوں کی تعداد آٹھ ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ اور وہ تقریباً ۱۴ میل شہر پناہ کی حفاظت ترکی فوج کے خلاف کرتے رہے۔ جس کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی۔ (مصنف کے قیاس میں یہ بیان مبالغہ سے خالی نہیں ہے)

شہر کی از سر نو آبادی

عیسائی:۔ سلطان نے جب شہر کو آباد کرنے کا منصوبہ بنایا۔ تو اس میں صرف ترکوں کی خواہشات کا خیال نہ رکھا۔ بلکہ اس نے گردونواح سے پرانے یونانی شہریوں کو پھر واپس بلا لیا۔ کیونکہ شہر کے حفاظتی منصوبہ کے تحت یا کسی اور وجہ سے یہ لوگ ترک وطن کر گئے تھے۔ علاوہ ازیں بہت سے وہ لوگ بھی تھے جو قسطنطنیہ کی فتح کے وقت قیدی بن کر ہاتھ آئے تھے۔

یہودی:۔ شہر کو از سر نو آباد کرتے وقت سلطان نے یہودیوں کو بھی آباد ہونے کی سہولتیں مہیا کیں۔

سلطان کا بدترین فعل:۔ سلطان محمد نے عین اس وقت جبکہ اس کی سوتیلی ماں (جو سربیا کی شہزادی تھی) نئے سلطان کو تخت نشینی کا ہدیہ تہنیت پیش کر رہی تھی۔ اس کے پیچھے یعنی اپنے دودھ پیتے سوتیلے بھائی کو حوض میں غرق کر کے ہلاک کروا دیا۔ اس بدترین فعل کے لیئے سلطان کا عذر یہ تھا کہ حکومت و سلطنت کے تحفظ کی

خاطر بھائیوں کا قتل کرنا بھی قانوناً جائز ہے" سلطان کا یہ فعل اس شخص کی ذہنیت کو بے نقاب کرتا ہے۔ اس غلط اور ناجائز قانون کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ آگے چل کر اسی قانون کی آڑ میں محمد ثانی کے جانشینوں نے بہت ہی مہیب اور بدترین فعل کیے مثلاً:۔

۱۔ مراد ثالث نے اپنے پانچوں بھائیوں کو قتل کرا دیا۔

۲۔ مراد ثالث کے بیٹے محمد ثالث نے اپنے انیس بھائیوں کو اسی قانون کی آڑ لے کر بے رحمی سے قتل کرا دیا۔

یہ وبا ایسی تھی کہ وہ ہندوستان میں بھی مغلوں میں جا پہنچی۔ گو یہ رسم اسلامی قانون کے سخت خلاف ہے۔ مگر اس فعل بد کی وجہ یہ تھی کہ دربار کے عالم بددیانت اور گمراہ لوگ تھے جو طمع یا ڈر یا دونوں کی وجہ سے بادشاہ کی مرضی کے بموجب احکام جاری کر دیتے تھے۔

ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ سلطان محمد فاتح نے اپنی سلطنت کی بنیادیں دوسری بار غیر اسلامی قانون جاری کر کے کھوکھلی کر دیں۔ یہ کہنا کہ یہ لڑکا چونکہ یورپین نسل کا تھا اس لیے اسے موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا ہے۔ کیونکہ سلطان نے خود یورپین شاہی نسل کی شہزادی سے نکاح کیا تھا۔

قیدی:۔ اس طرح سے سلطان نے بحیرہ روم کے جزائر کے قیدیوں کو بھی اس شہر میں آباد کر دیا۔ اور ان کو اپنے عزیز و اقارب کو جو وہاں سے بھاگ کر ایڈریانوپل کے شمالی علاقے میں پناہ گزیں

ہوئے تھے اس شہر میں آباد ہونے میں مدد دی۔

ترکی باشندے اسی طرح سے سلطان نے مفتوح علاقوں میں تبدیل شدہ مقامی شہریوں کی جگہ ترکی خاندان بسا دیئے یہی وجہ ہے کہ ترکی کا بیسویں صدی کا مجاہد اعظم اتاترک یونانی سرزمین کے شہر سالونیکا میں پیدا ہوا تھا۔

شہر کی فصیل سلطان نے شہر کو وسعت دی۔ اور بحیرہ ماموره کی طرف سات نئے برج تعمیر کر کے شہر پناہ کو اور بھی مستحکم کر دیا۔ اور جہاں پہلے روما کے قدیم محلات تھے جنہیں صلیبی فاتحین نے تباہ کر دیا تھا۔ وہاں بھی نئے مستحکم برج تعمیر کیئے۔ تاکہ یورپ کی جانب سے اس شہر کو حملے کا خطرہ نہ رہے یہاں پر سلطان نے یحیٰ کولتن گیٹ تعمیر کروایا اور اس قلعے میں اتنے اناج کا انتظام کر دیا۔ کہ بوقت ضرورت تین برس تک محصورین ڈٹ کر مقابلہ کر سکیں۔

بازار اب سلطان نے شہر میں ایسے بازار بنوائے جو چھتے ہوئے تھے۔ شہر میں پانی کی نئی نہریں جاری کیں۔ ترکی حمام بنوائے مسافر خانے اور سرائیں شہر کے اندر اور گرد و نواح میں تعمیر کرائیں جہاں آجکل یونیورسٹی کا مینار ہے۔ وہاں سلطان نے اپنے لیئے نیا محل تعمیر کرایا تھا۔ اور فتح مسجد بھی تعمیر کرائی تھی۔ علاوہ ازیں شہر کے ہر حصے کو بہت ہی خوبصورت باغات اور کتب خانوں سے

مزیّن کیا تھا۔

تعلیم

سلطان نے جب آمیروکس کی علمی شہرت سُنی تو اُس فلاسفر کو بہت عزّت سے دعوت دے کر بلایا۔ اس طرح سے فزکس حساب۔ جیومیٹری۔ اقلیدس وغیرہ کی تعلیم جاری کردی۔

سلطان نے فارسی اور عربی کی بہت ہمّت افزائی کی۔ اور یونانی زبان کی مشہور و مستند کتابوں کے ترجمے کرانے کا حکم دے دیا۔ غرضکہ سلطان کو جہاں کہیں بھی تعلیم کو ترقی دینے کا ذریعہ معلوم ہوا، اُسے حاصل کرکے ہی چھوڑا۔ اور اس طرح سے اسلام بول میں دوبارہ وُہی علمی۔ ادبی اور تجارت وغیرہ کی گھما گھمی ہوگئی۔ جوکہ اُسے کئی صدیاں پہلے حاصل تھی اور جب کہ اُس کا نام قسطنطنیہ تھا۔

آبادی

سلطان نے جب اس شہر کو فتح کیا۔ تو مورّخین کے قول کے بموجب اُس کی کل آبادی سپاہیوں (یعنی اندرونی وبیرونی) اور عوام کو ملاکر ساٹھ ھزار سے زیادہ نہ تھی اور سلطان کی زندگی ہی میں اُس کی آبادی ایک لاکھ ہوگئی اور سولھویں صدی میں اسلام بول کی آبادی چار لاکھ سے زائد تھی۔

ایک ھزار برس کا مستقر

یہ شہر ایک ہزار سال تک عثمانی خاندان کا دارالخلافہ بنا رہا۔

۱۹۱۸ء میں اس پر اتحادیوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس لمبے عرصے میں عثمانی حکومت کا عروج اور پھر زوال ہوا۔ اور جب عثمانی حکومت کے ہاتھ عیش و عشرت، شراب نوشی اور اسراف وغیرہ جیسی بدعادات سے کمزور ہو گئے اور اسلامی دنیا پھر خطرے میں پڑ گئی تو اللہ تعالےٰ نے بیسویں صدی کے مجاہد کے ہاتھوں پھر اس شہر پر اسلامی جھنڈا لہرانے کا موقع بخشا۔ مگر یہ جھنڈا عثمانی نہ تھا۔ بلکہ حکومت جمہوریہ ترکیہ کا تھا۔ اس طرح سے اس اہم قلعے کے دروازے کی کنجی پھر مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گئی۔

محمد کی فوج

۱۔ **بیگلر بیگ :۔** ان کا امتیازی نشان "دو طرّے" ہوتا تھا۔ یہ لوگ محاصل بندی کرتے تھے اور اپنے علم (سنجک) کے تلے سپاہ جمع کر سکتے تھے۔ ان کو جاگیریں عطا ہوتی تھیں۔ جو کہ شاہی دفتروں میں رجسٹرڈ ہوتی تھیں۔

۲۔ **بیگ :۔** جن کا امتیازی نشان ایک طرّہ ہوتا تھا۔ یہ صوبوں کے حکمران ہوتے تھے۔

۳۔ **آغائے ینی چری :۔** یہ ینی چری سپاہ کا سردارِ اعلیٰ اور اسلام بول کا وزیر الضبط بھی تھا۔

۴۔ **آغا باشی :۔** یہ پیدل سپاہیوں اور فوجی دستوں کے سالار ہوتے تھے

۵۔ **آغا توپچی باشی :۔** یہ افسرِ توپ خانہ ہوتا تھا۔

مکمل نہ تھی۔ بلکہ ناقص تھی اور جب محمّد ثانی نے اس بات پر توجّہ دی تو دشمن صحیح معنوں میں محصور ہوگیا۔ علاوہ ازیں اس قلعے کو فتح کرنے کے لیئے مسلم سپہ سالاروں نے (سوائے محمّد ثانی کے) بذاتِ خود بغور معائنہ نہ کیا۔ اس لیئے اُن کے آلاتِ حرب کارگر ثابت نہ ہوئے۔

محمّد ثانی کی عین جنگی محاذ پر بھاری توپیں ساخت کرنے کی جدّت قابلِ تحسین ہے۔ اسی طرح سے اُس نے دشمن کے سمندری راستے کی مکمل ناکہ بندی کرنے کی غرض سے پہاڑ سے ڈھلوان بنانے کی تجویز بھی اپنے طرز کی بالکل نئی مثال ہے۔ ۱۹۳۹-۴۵ء کی عالمگیر جنگ میں اتحادیوں نے اسی قسم کی جدّت یہ کی تھی کہ عارضی بندرگاہ، تعمیر کی، جسے جہاز اپنے ساتھ کھینچ کر فرانس کے ساحل پر لے آئے اور اس طرح سے اتحادی فوجیں ہٹلر کے اٹلانٹک کے قلعے کے اندر داخل ہوگئیں۔ اتحادیوں کی یہ جدّت گو بہت سادہ تھی۔ مگر بہت ہی مؤثر ثابت ہوئی۔

جس طرح سے محمّد ثانی نے گیلی پولی پر اپنے بحری بیڑے کو متعین کرکے بازنطینی حکومت کا بیرونی دنیا سے تجارتی تعلق ختم کردیا تھا اسی طرح سے اتحادیوں نے ۱۹۱۴-۱۸ء کی عالمگیر جنگ میں گیلی پولی کو اپنا بحری اور بعدازاں برّی فوج کا مستقر بنا کر ترکی حکومت کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔

ان حالات سے یہ امر کس قدر عیاں ہے" کہ تاریخ اپنے اوراق کو بار بار دُہراتی ہے۔ لہٰذا ہر ایک سپہ سالار اور آزاد حکومت کا ہر ایک باشندہ ان اوراق کی سرگردانی سے بہت سے اہم اور کارآمد سبق سیکھ سکتا ہے۔ مثلاً:-

۱۔ جو حکومت اپنی فوج کو اپنے دشمنوں کے خلاف کامیابی سے لڑانا نہیں جانتی۔ اس حکومت کے ارکان حکمرانی کے اہل نہیں ہیں۔ جرمنی کے مشہور دفاعی ماہر وان ڈرگالڈز کا یہ مقولہ ہے:-

"حکمران میں ان باتوں کا ہونا لازمی ہے:-

۱ــــ جدید آلاتِ حرب کیسے بنوائے جا سکتے ہیں۔

۲ــــ عوام کے دل اور بازو کیسے طاقتور بنائے جا سکتے ہیں تاکہ وہ ان آلاتِ حرب کو اپنے دشمنوں کے خلاف کامیابی سے استعمال کر سکیں۔

۳ــــ عوام اور فوج کو کیسے جفاکش بنایا جا سکتا ہے۔ تاکہ وہ جنگ کی صعوبتوں کو خندہ پیشانی اور صبر و عزم سے برداشت کر کے اپنے وطن کے جھنڈے کو بلند رکھ سکیں۔"

یا یوں کہیئے کہ چونکہ محمد ثانی نے مذکورہ بالا امور پر عمل کیا اس لیئے وہ واحد حکمران ہے جس نے ہزار برس سے قبل ناقابل تسخیر اہم قلعہ کو فتح کیا۔

جرمنی کا سب سے بڑا دفاعی مبصر "گلازویچ" سلطان کی خوبیوں کو ان الفاظ میں آشکار کرتا ہے :-

"اس امر میں کوئی کلام نہیں کہ لڑائی لڑنا بہت ہی مشکل کام ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ جان لینا بھی اشد ضروری ہے کہ لڑائی کے لیئے ٹھیک دفاعی منصوبے یا جنگ لڑانے کے لیئے موزوں سٹریٹیجی اور فن حرب کے اصولوں کے چھانٹ لینے کے لیئے غیر معمولی قابل یا پیدائشی جرنل کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ کام عام ذہانت کا انسان بھی کر سکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان سٹریٹیجی یا دفاعی اصولوں کو نقشے اور کاغذ پر ایک درست دفاعی منصوبے کو پیش کرنے کے لیئے بھی قابل ترین جرنل کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر درحقیقت دشواری صرف یہ ہے۔ کہ میدان جنگ میں ایک ایسے جرنل کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو عزم واستقلال سے طے شدہ دفاعی منصوبے اور صائب فن حرب کے اصولوں پر عزم سے کاربند رہے اور کسی حالت میں اس کے پاؤں میں لغزش نہ آنے پائے"

گلازویچ کا یہ مقولہ قسطنطنیہ کے کئی بار حملوں میں راست آتا ہے مثلاً معاویہؓ نے نہایت ہی زبردست بری اور بحری فوجیں بھیجیں۔ جن کا مقصد یہ تھا کہ خشکی اور تری سے قسطنطنیہ کی مکمل ناکہ بندی کی جائے۔ مگر مسلمہ چونکہ قابل سالار نہ تھا۔ لہٰذا نہ تو وہ اپنی فوجوں کو جفاکش رکھ سکا۔ اور نہ ہی اس کی سمندر کی ناکہ بندی کا انتظام کارگر ثابت ہوا۔

لشکری اور انسان

فوج کے سپاہی بھی عام انسان ہوتے ہیں۔ اور عام انسان کی طرح اُن کو بھی کھانا۔ پینا۔ سونا۔ دُکھ۔ بیماری۔ آرام ملنا ضروری ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ بعض اوقات اُن کو تھوڑا کھا کر بھی مشقت کا کام کرنا پڑتا ہے اور مکان کے سایہ کی بجائے آسمان کے سایہ میں کئی راتیں گذارنی پڑتی ہیں۔ مگر یہ عارضی وقفے کے لیئے ہونا چاہیئے۔ لہٰذا یہ لازمی ہے۔ کہ سپہ سالار ان چیزوں کا خیال رکھے۔ ورنہ سپاہیوں کی صحت پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ بڑے انتظامات کئی بار قسطنطنیہ کی دیواروں سے مختلف فوجوں کو ناکام واپس لے گیئے۔

نظم و نسق

آجکل انسانوں کی خوراک کے علاوہ مشینوں کے لیئے تیل کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اس لیئے ہر قابل سپہ سالار کو ایسے ذرائع اختیار کرنے چاہئیں۔ جن سے وہ اپنے دشمن کے رسد و حرب اور کمک کے وسائل میں خامیاں پیدا کر کے اُسے عاجز بنا دے۔ محمدؐ ثانی نے اس نہایت سادہ اور عام فہم حربی اُصول پر عمل کر کے قیصر قسطنطین کو مجبور کر دیا تھا کہ قلعے کے اندر سے عوام کی تعداد کو کم کریں۔ اور بعد ازاں سپاہیوں میں بھی کمی کر دی۔ لہٰذا قیصر کے پاس چودہ میل لمبی فصیل کی حفاظت کے لیئے کافی سپاہی موجود نہ تھے۔

اس تاریخی واقعے کے پڑھنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ

کو کامیابی سے لڑانے کے لیئے محض طاقت کی ضرورت نہیں۔ بلکہ عقل کی بھی ضرورت ہے۔ مثلاً اگر محمد ثانی توپیں عین مقامات پر نہ بنواتا تو اتنی بڑی توپیں دشوار گذار مقامات پر نہ لے جا سکتا یا اگر وہ پہاڑ پر سے کشتیوں کو سمندر میں نہ پہنچاتا تو دشمن کے بچاؤ کے منصوبے کو بگاڑ نہ سکتا۔ اس طرز عمل سے قیصر کی فوج کا نظام درہم برہم ہو گیا۔

میکنڈر اپنی کتاب 'ملٹری جیوگیرفی' میں یوں لکھتے ہیں:۔

"دارالخلافے محض اتفاقات کی بنا پر قائم نہیں ہوتے ہیں بلکہ وہ بہت سی اہم وجوہات کی بنا پر قائم کیئے جاتے ہیں۔ مثلاً جغرافیائی پوزیشن، پیرس جرکہ جولین، کلوس، ہنری ہفتم اور نپولین اور آجکل بھی فرانس کا دارالخلافہ ہے۔ چونکہ اس مقام کے قریب بہترین عمارتی سامان بافراط ملتا ہے کیونکہ یہاں پر بہت بڑے دریا مارن، اوئس اور ایونے دریائے سین سے آ کر ملتے ہیں۔ اس کے گرد و نواح کا علاقہ سرسبز و شاداب اور زرخیز ہے۔ یہ تجارتی اور تمدنی لحاظ سے بھی بہت اہم مرکز ہے"

سلطان محمد ثانی نے بروصہ سے اپنا دارالخلافہ ایڈریانوپل (ادرنہ) میں اسی قسم کے تصورات کے تحت منتقل کیا۔ علاوہ ازیں وہ قیصر اور اس کے ساتھیوں کی راہ میں خود بیٹھ گیا تاکہ ان کی مدد قیصر کو نہ پہنچ سکے۔ اور اس کی اپنی فوج کے لیئے ہر قسم کا سامان

دارالخلافے کے نزدیک ہونے کی وجہ سے جلد ترین پہنچ جائے۔ علاوہ ازیں بروصہ اور میدان جنگ میں سمندر حائل تھا۔ مگر ایڈریانوپل میں پایۂ تخت ہونے سے یہ مرحلہ دور ہو گیا۔

ایڈریانوپل ایک نہایت ہی مستحکم قلعہ تھا۔ جو کہ یورپ سے آنے والی راہوں کا نگران تھا۔ مسٹر میگوائر نے اپنی اسی کتاب میں کس قدر سچ لکھا ہے:۔

"یہ امر ناقابل تردید ہے۔ کہ کسی قلعے نے چاہے وہ کسی مقام پر تھا۔ چاہے اس میں کتنے جرار سپاہی اور آلات حرب تھے اور چاہے اس کی ساخت پر کتنا ہی روپیہ صرف کیا گیا ہو۔ مگر وہ اپنی حکومت کو تباہی سے اس وقت تک نہیں بچا سکتا۔ جب تک کہ اس قلعے کو مکمل طریقے سے محصور نہ کیا جا سکے۔ کیونکہ ایسا قلعہ محصور ہونے کے بعد کبھی نہ کبھی ضرور مفتوح بن جاتا ہے۔ لیکن اگر قلعے کے لئے کمک پہنچ سکتی ہے۔ اور اس قلعے کی اپنی فوج اور اس امدادی فوج نقل و حرکت کی اہلیت رکھتی ہے۔ تو وہ دشمن کو عاجز بنا سکتی ہے۔"

میگوائر کا یہ مقولہ قسطنطنیہ کے حسب حال ہے۔ جب تک قسطنطنیہ کو بیرونی مدد ملتی رہی، قسطنطنیہ ناقابل تسخیر رہا۔ گو ان ایام میں یہ قلعہ نسبتاً اتنا مستحکم نہ تھا، مگر جب محصورین قلعے کے اندر محصور ہو گئے۔ تو وہ معذور و مجبور ہو گئے۔ یا یوں کہیے کہ جب تک قسطنطنیہ

کے حکمران قلعے سے نکل کر یا بیرونی کمک سے مستفید ہو سکے۔ اس وقت قسطنطنیہ نے اپنے دشمنوں کی تمام کوششوں کو رائگاں کر دیا۔ اور جب قسطنطنیہ کی فوجیں قلعے کے اندر بے بس ہو گئیں۔ تو قیصر کی وہ تمام کوششیں جو اس نے اس کو مضبوط تر بنانے کے لیے کی تھیں، اور جو روپیہ اس کام کے لیے صرف کیا تھا وہ سب اکارت ہو گیا۔ بالفاظ دیگر صرف سیمنٹ، لوہے اور پتھر سے قلعے کو محفوظ نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس کی حفاظت کے لیے ایک متحرک فوج کی ضرورت ہے جو کہ دشمن کے خلاف جوابی حملے کر کے اسے ہراساں کر دے۔

فرانسیسی مورخ ڈلاڑدن کیر نے ان خیالات کا ان الفاظ میں اظہار کیا ہے :-

"لیکن دیکھنا یہ ہے کہ قسطنطنیہ کی جنگ کے عرصہ میں وہاں کے باشندے کیا کرتے رہے۔ اس کی بجائے کہ وہ ہتھیار سنبھالتے اور شہر کی فصیلوں کی طرف جھپٹ پڑتے، رومی اپنا وقت ماتم میں صرف کرتے رہے اور صرف آپس کے بے نتیجہ اختلاف میں ضائع کرنے کے لیے اُن کو کافی ذہانت اور طاقت حاصل تھی۔ ادھر بعض لوگ حضرت مریمؑ کی مورت کے سامنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہوئے گریہ کناں تھے جن کی اعجازی قوت محافظت ان کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے پہلے نجات دلا چکی تھی۔ اب بھی وہ اس کی مدد مانگ رہے تھے دوسری جانب کچھ لوگ قدم نور کے اوپر آوازیں کس رہے تھے۔ کچھ حضرت

کی پاک دامانی کے متعلق آپس میں جھگڑ رہے تھے اور کچھ کیتھولک عقیدے کے مغربی عیسائیوں پر تبرے کر رہے تھے"۔

پوپ نے لاطینی فوجوں کی مدد کا اس شرط کے ساتھ وعدہ کیا کہ مجلس نائیس (NICE) کے عقائد کو اختیار کر لیا جائے۔ اس تجویز نے غم و غصہ کا ایک طوفان برپا کر دیا تھا اور ہذیان زدہ آبادی بار بار یہ نعرے لگا رہی تھی۔ کہ "لاطینیوں کے مقابلہ میں ترک بہتر ہیں"۔ مغربی کیتھولک مشرقی عیسائیوں کو بچا سکتے تھے۔ مگر رومیوں نے روما کے دینی پیشوا کی اطاعت قبول کرنے کی بجائے نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں کو ترجیح دی۔ ان کی یہ خواہش عنقریب ہولناک خطرناک طریقے پر پوری ہونے والی تھی۔

جیوس نیائی کی موت

یورپین مورخ، جیوس نیائی پر یہ الزام رکھتے ہیں کہ اس نے ایسے نازک وقت میں علیحدگی اختیار کر لی اور لڑائی چھوڑ کر چلا گیا۔ مگر یہ ایک صریح بہتان ہے۔ کچھ تو وینس والوں نے جو جنیوا والوں کے پکے دشمن تھے، مشہور کیا اور کچھ خود جیوس کے سپاہیوں نے اپنی پسپائی کے عذر کے طور سے مشہور کیا۔ رومی مورخین اس کی بہادری کے معترف اور اس پر بالکل متفق ہیں۔ سر ٹو بولا ز جو محمد ثانی کا ہمعصر تھا اپنی حیات بادشاہی میں لکھتا ہے۔ کہ

"یکایک جیوس نیانی گولہ باری کے دوران میں ایک گولے سے سینے

میں مہلک زخم کھا کر گر پڑا۔ اور اس کے تمام سپاہی مایوس ہوکر
اُن مورچوں اور دلواروں کو چھوڑ کر جہاں وہ لڑ رہے تھے بھاگ
کھڑے ہوئے ۔۔۔۔۔ "

ہمارے خیال میں فرانسیسی مورخ نے یورپی فوجوں کی ایشیائی فوجوں کے مقابلے میں ہار کو بیکار چھپانے کی کوشش کی ہے۔

اسلام بول سیاسی اور سٹریٹجی کے نئے دور میں

سیاسی طور سے بھی قسطنطنیہ کی فتح ہم کو یہ بتلاتی ہے کہ جب تک یہ مستقر عیسائی حکومت کے ہاتھ میں رہا۔ اسلامی دنیا پر بار بار صلیبی لشکروں کے حملے ہوتے رہے اور جب یہ مستقر (اسلام بول) ترکوں کے ہاتھ میں آگیا۔ تو نہ صرف اسلامی دنیا کا مرکز یعنی حجاز و شام وغیرہ ان حملوں سے محفوظ رہا۔ بلکہ اسلامی لشکروں کے حملوں کے ڈر سے یورپ کئی صدیوں تک چین کی نیند نہ سو سکا۔

آجکل بھی اس مستقر کی اہمیت بہت ہی بڑی ہے۔ مغربی دفاعی مبصرین کے قول کے مطابق اس مستقر کو اگر لغزش آگئی، تو تمام دنیا کمیونسٹوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب میں بہ جائے گی۔ اور یورپ کی سامراجی حکومتوں کو قیامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

محمد ثانی نے سمندر کے ایشیائی اور یورپی ساحلوں پر حصار (قلعے) بنا کر بلیک سی اور بحر وسط میں جہاز رانی پر قابو پا لیا تھا۔

اُس وقت سلطان کے پاس صرف توپیں تھیں، اور بحری بیڑہ تھا۔ آجکل ترکی اور اُس کے معاونوں کے پاس جدید قسم کے آلات ہیں۔ لہٰذا جب سلطان نے قسطنطنیہ کے قلعے کو درّہ دانیال۔ گیلی پولی۔ قبرص۔ کریٹ۔ سالونیکا پر مزید قلعے بنا کر اُسے جدید ترین مستقر بنا دیا تھا۔ تو اب اسلام بول کا مستقر کچھ نہ کچھ بہتر صُورت اختیار کر سکتا ہے۔ یعنی اگر ترکی اور اُس کے حلیف بحیرۂ وسط میں ترکی کی بندرگاہوں پر جدید قسم کا بحری اور ہوائی بیڑہ مثلاً اسلام بول (ISTANBUL) ٹریبزان (TRABIZON) ازمیر (ISMIR) انطاکیہ (ANTAKIA) وغیرہ قرب وجوار میں متعین کر دیں۔ اور اس طرح سے بری اور ہوائی بیڑے میزا کریٹ (MALZKIRT) انقرہ (ANKARA) سیواس (SIVAS) اڈرین (EDRINE) دیار باکر (DIYABAKIR) میں قائم کر دیں، تو کمیونسٹ اور سامراجی حکومتوں کے تصادم کو روکا جا سکتا ہے۔

ان مقامات کے قرب وجوار میں اڈے قائم کرنے سے مشرقی اور مغربی طاقتوں کو کوئی اڈہ چاہیئے۔ وہ بندرگاہیں صنعتی وحرفتی ادارے یا فوجی مستقر سب کے سب جدید قسم کے راکٹ کی مار کے اندر آجاتے ہیں۔ یا یوں کہیئے کہ جہاں پر ترکی کی سر زمین سے ہوائی جہاز یا زمین پر راکٹوں کے اڈے دشمن پر تباہی نہیں لا سکتے۔ وہاں پر بحری اور ہوائی بیڑوں کی یکجہتی سے تباہی لائی جا سکتی ہے۔

بالفاظ دیگر اب اسلام بول کے اڈے کی سیاسی اور دفاعی اہمیت پہلے سے کہیں بڑھ گئی ہے۔ یعنی جہاں پہلے یہ مستقر ایشیا و یورپ کے خشکی کے راستے پر پاسبانی کرتا تھا۔ اب اس کا دائرہ پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گیا ہے۔ خصوصاً جبکہ ترکی کا علاقہ جنگل اور پہاڑوں کی وادیوں سے لبریز ہے۔ جہاں ایٹم کی مار محدود ہو جاتی ہے۔ اب یہ اسلامی مستقر مشرق وسطیٰ کے معدنیاتی ذخیروں کی بھی پاسبانی کرتا ہے۔ جنہیں اپنا بنانے کے لیے مشرق و مغرب کی کوششیں جاری ہیں اور رہیں گی اور جن معدنیات کے بغیر جدید آلاتِ حرب بیکار و بے اثر ہیں ۔

آلِ عثمان کا تیسرا دَور

دُنیاوی ترقی مگر دینوی لحاظ سے زوال کی جانب

بایزید ثانی :- سلطان محمد ثانی کے بعد اُس کا بیٹا بایزید ثانی تخت نشین ہوا۔ دفاعی نظریہ سے اُس کا زمانہ نمایاں نہیں ہے۔ ۱۹۱۸ء میں اُس نے خود گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ اس کے بعد سلطان سلیم اوّل تخت نشین ہوا۔

آلِ عثمان اور خلافت

سلطان سلیم اوّل :- سلیم اپنے باپ بایزید کی جگہ تخت نشین ہوا۔ یہ مستقل مزاج، باعزم اور بے حد سخت گیر تھا۔ غالباً بایزید جیسے عافیت طلب سلطان کے بعد ایسے رویّہ کا اختیار کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ بد امنی کے آثار کئی اطراف سے نمودار ہو چکے تھے۔ سب سے پہلے اُسے ایران کے شاہ اسماعیل صفوی سے جنگ کرنا پڑی جسے سلیم نے 'چالا یران' کے مقام پر شکست دی۔ اس کے بعد سلیم نے تبریز، ہمدان، آذر بائیجان، اور قفقاز پر قبضہ کر لیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر وہ بلادِ عرب میں دیار بکر اور مملکتِ ذوالقدریہ کو فتح کر کے

شام کو روندتا ہوا مصر پر حملہ آور ہوا چرکسی بادشاہ غوری اور اس کے بعد اُس کا جانشین طومان آرام طلب تھا اور ان کی فوج بھی جفاکش و منظم نہ تھی۔ لہٰذا ہر مقام پر ترکی فوج کامیاب رہی اور اس طرح سے خلافت بنو عباس سے منتقل ہو کر آل عثمان میں آ گئی۔

سلیم اور خلافت:۔ بہت سے مورخین کا اس بات میں اختلاف ہے۔ کہ آیا سلطان سلیم نے لفظ "خلیفہ" اختیار کیا یا نہیں؟ جب بنو عباس اور اُس کی پشت پناہ مصری حکومت دونوں ختم ہو گئیں تو ہمارے خیال میں یہ سوال کہ سلیم نے اپنی خلافت کا اعلان کیا یا نہیں دراصل پیدا ہی نہیں ہوتا۔ جبکہ تاریخ ان امور کی شاہد ہے کہ:۔

۱۔ شریف مکہ کے بیٹے نے سلطان سلیم کو اپنے باپ کی طرف سے حرمین شریفین کی کنجیاں پیش کر دی تھیں۔

۲۔ جمعہ کی نماز کا خطبہ پڑھتے وقت جب خطیب نے سلیم کے لیئے مالک الحرمین الشریفین کے الفاظ استعمال کیئے! تو سلیم جو وہاں موجود تھا فوراً بول اُٹھا اور کہا:۔

میری یہ حیثیت نہیں ہے۔ کہ میں حرمین شریفین کا مالک کہلاؤں بلکہ میرے لیئے یہی فخر کچھ کم نہیں ہے۔ کہ میں "خادم الحرمین الشریفین" کے نام سے یاد کیا جاؤں۔ یہی وہ خطاب تھا جسے سلیم کے سب جانشینوں نے اختیار کیا تھا۔

۳۔ ان ایام کے سکّے جو کہ لندن کے عجائب خانے میں موجود ہیں۔
ان سکوں پر "خلیفہ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

یہ یاد رکھنا ضروری ہے۔ کہ خلافت جس کا اولین فرض اشاعت اسلام تھا اور اشد ضرورت کے وقت جب خدمت اسلام کے لیے تلوار کی حفاظت درکار ہوتی تو آل عثمان کے ہاتھ میں یہی وہ تلوار تھی جس سے یورپ۔ ایشیا اور افریقہ کی بڑی بڑی حکومتیں لرزتی تھیں۔ اب حکومت مصر کے کمزور ہاتھوں سے نکل کر اسلام بول کے ہاتھوں میں آ چکی تھی۔

آل عثمان کے حکمرانوں نے خدمت اسلام کے فریضہ کو صحیح فرض شناسی، بیدار مغزی اور عزم کے ساتھ سر انجام دیا یہی وہ حکومت تھی جو کئی صدیوں تک یورپ کے کروسیڈیوں کا مقابلہ کرتی رہی۔ علاوہ ازیں سلیم نے اس خدمت کو اپنے سر پر لیتے ہی مکہ اور مدینہ میں غلہ بھیجنے کا انتظام کیا۔ علما کی تنخواہیں مقرر کر دیں۔ فقرا کے لیے کھانے کا انتظام کر دیا۔

عجیب اتفاق :۔ ۷۹۷ھ میں آل عثمان کے حکمران نے خلیفہ المتوکل علی اللہ سے "سلطان روم" کا خطاب حاصل کیا تھا۔ ۹۲۳ھ میں اتفاق سے المتوکل علی اللہ نامی خلیفہ تھا۔ جسے سلطان سلیم نے ہٹا کر خلافت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ فرق اتنا تھا کہ سلیم کے اس طرز عمل سے ۱۲۰ برس قبل عثمانی سلطان

نے النجا کر کے خطاب حاصل کیا تھا اور اس وقت کا حصول بزورِ شمشیر تھا۔

سلیم میں اسلامی رواداری اور انصاف پسندی کا مادہ تھا۔ اور شیخ الاسلام مفتی جمالی کے پند و نصائح کو سن کر اُس پر عمل کرتا تھا۔ مثلاً جب سلیم نے اپنے ملک کے اندر رہنے والے عیسائیوں کو جبراً مسلمان بنانے کا حکم دیا تو مفتی صاحب کے سمجھانے "پر کہ مذہب میں جبر کی اجازت نہیں ہے"۔ سلیم نے فوراً اپنے حکم کو واپس لے لیا۔

اسی طرح سے جب سلیم نے ایرانی تاجروں کا بائیکاٹ کرنے کا حکم دیا۔ تو اسے بھی مفتی جمالی کے کہنے پر واپس لے لیا۔ ۱۵۲۰ء میں مصر سے واپسی پر سلطان نے حلب۔ حمص۔ دمشق۔ بسان وغیرہ فتح کر لیے۔

وفات ۱۵۱۸ء میں ینی چری فوج کے سپاہیوں نے اسلام بول میں اس وقت بغاوت کی جبکہ سلطان فتوحات میں مصروف تھا۔ ان باغیوں نے صدرِ اعظم کا گھر لوٹ لیا۔ یہ خبر سنتے ہی اسلام بول پہنچا اور باغیوں کو سخت سزا دی۔

بحری بیڑہ:۔ سلیم نے ایک مضبوط بحری بیڑہ تیار کروایا۔ اس میں ڈیڑھ سو جدید قسم کے بڑے جہاز تھے۔ جو کہ تقریباً سو سو پرانے جہازوں کے علاوہ تھے۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے بحری بیڑے کو منظم کرے اور اُس کو ہر وقت جنگ کے لیئے تیار رکھے۔

اس بحری بیڑے میں مستقل طور سے تنخواہ دار افسروں اور عہدیداروں کے علاوہ تنخواہ دار کلیونجی (ملّاح) اور علا فتجی (مستوفی) بھرتی کیئے گیئے تھے۔ نیز اس میں کسی ہزار لیوند (بحری پیادہ) بھرتی کیئے گیئے۔ آجکل لیوند کو 'میرین' کے نام سے پکارتے ہیں۔

اس بیڑے کی وجہ سے بحر روم میں صلیبی بحری نائٹوں کی غارتگری ختم ہو گئی۔ اس ترکی بحری بیڑے کے خوف سے یورپ کے جہاز ران بحری لٹیروں نے اپنے قماش کے لیئے نئے سمندری راستے تلاش کیئے۔ جن میں ایک تو جنوبی افریقہ کے ارد گرد کا تھا اور دُوسرا وہ جس کی وجہ سے نئی دنیا یعنی امریکہ یورپ والوں کے ہاتھ آیا۔

افسوس کا مقام ہے۔ کہ ترکی بحری بیڑہ بحر رُوم سے باہر نہ نکلا۔ اور سلیم کے جانشینوں نے اس طرف ضروری توجہ نہ کی۔

سلیمان اعظم

وراثت سکندر اعظم کی طرح سے سلیمان کو بھی ایک جنگجو۔ جنگ آزمودہ، منظم بری فوج اور بحری بیڑہ ملا۔ ترکی خزانہ بھرا ہوا تھا۔ اور سلیم نے اپنی حکومت کے دَور میں اپنے زبردست دشمنوں کے حوصلے پست کر دئیے تھے۔ اس ورثہ کو سلیمان نے عقلمندی، عزم اور دلیری سے استعمال کیا۔

عثمانؓ۔ علیؓ رضی اللہ تعالےٰ عنہم اور جملہ اولیاء اللہ زمین
سلطانوں کا سلطان، خاقانوں کی برہان، بادشاہوں کو تاج
پہنانے والا اور زمین پر سایہ الٰہی سلطان بحر ابیض و بحر اسودؔ
اناطولیہ و رومیلہ و فرمان روائے رُوم و ولایت ذی القدریہ و
دیار بکر و کردستان و آذربائیجان و عجم و شام و حلب و مصر و مکہ
و مدینہ شریف و بیت المقدس و جملہ بلادِ عرب و یمن و دیگر ممالک
کثیرہ جن کو میرے محترم آبائے[۲] ذی عظمت و اجداد انار اللہ براہینہم
نے اپنی قوتِ قاہرہ سے فتح کیا تھا۔ اور بہت سے اور شہر[۳] جن کو میری
عظمت کے بازو نے نصرت شمشیر سے فتح کیا ــــ میں ہوں سلطان
سلیمان خان بن سلطان سلیم خان بن سلطان بایزید خان بجانب فرانسس
فرنسیس شاہ ولایت فرنسا جو خط تم[۴] نے بھیجا ہے۔ مع تمہارے خادم
فرانقیپال بشرطِ ملجائے سلاطین کے آستانہ پر پہنچا۔ وہ واقعات بھی
معلوم ہوئے جو تم نے زبانی[۵] کہلا بھیجے ہیں اور ہمیں اس کی بھی خبر ہوئی۔
کہ تمہارا دشمن تمہارے شہروں[۶] پر غالب آگیا ہے اور تم کو گھیرے ہوئے
ہے اور اس جانب سے اس بارے میں مدد[۷] و توجہ کے خواستگار
ہو۔ خصوصاً اپنی رہائی کے بارے میں جو کچھ تم نے کہا ہے وہ سب
ہمارے شاہانہ دربار کے تخت کے سامنے آستانہ پر پیش کر دیا گیا
میرا علم شریف تفصیل کے طور پر اس سے آگاہ ہو گیا اور بوجہ احسن
منکشف ہوا۔ بادشاہوں کا قید ہونا اور تنگی میں پڑنا کوئی تعجب[۸] کی

بات نہیں ہے لہٰذا تم خاطر جمع رکھو اور پریشان نہ ہو۔ اس لیے کہ میرے بزرگ آبا[9] اور سراپا جلال واجلال اجداد (خدا ان کے مرقدوں کو نورانی کرے) کبھی جنگ و پیکار سے خالی نہ رہے اس لیئے کہ ہم ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ اور ہمیشہ دشوار گذار شہروں کو اور مضبوط[10] ترین قلعوں کو فتح کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے گھوڑے شب و روز کسے ہوئے کھڑے رہتے ہیں۔ ہماری تلواریں ہمیشہ میان کے باہر رہا[11] کرتی ہیں اور حق سبحانہ وتعالیٰ[12] اپنے ارادے اور اپنی مشیت سے کامیابی کو آسان کر دیتا ہے۔ باقی حالات و واقعات کو تم اپنے خادم کی زبان[13] سے معلوم کرو گے۔ بس تمہیں اتنا ہی معلوم رہے۔"

سلطان کی ڈپلومیسی اور سٹریٹیجی:۔ سلطان عثمان کے ایک بلند پائیہ جرنل اور حکمران ہونے کا اس خط سے پتہ چلتا ہے۔ اس لیئے ہم اس پر تبصرہ ضروری سمجھتے ہیں۔ اور ہم شوق صاحب کے ممنون ہیں کہ انہوں نے ایسا اہم مراسلہ اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ جزاہ اللہ فی الدارین۔

ہم نے آپ کے غور کرنے کے لیئے مذکورہ بالا خط کے خصوصی مرکز ہائے خیال پر نمبر لگا دیئے ہیں۔ اس خط کو بغور پڑھنے سے سلطان کی دور بینی اور ملٹری سائنس میں کمال کا پتہ چلتا ہے۔ سلطان کا یہ خط ڈپلومیسی کے لحاظ سے بھی بہت بلند پایہ ہے۔ مثلاً سلطان نے اپنے خط میں فرانسیس کو ان اہم نقاط کا احساس دلایا ہے:۔

۱ - مَیں ایک عقیدت مند مسلم ہوں - اور رسول اللہ علیہ وسلّم اور خلفائے راشدین کے احکامات کا پابند ہوں -

۲ - مَیں اپنے خاندانی آباؤ اجداد پر فخر کرتا ہوں - اور ان روایات پر کاربند ہوں اور رہوں گا -

۳ - میری طاقت پہلے سے بھی اب زیادہ ہے -

۴ - تمہارے ہی خط کی بنا پر میں یہ اندازہ لگا رہا ہوں -

۵ - اس خط کے علاوہ اہم معاملات جو اس خیال سے کہ تمہارے دشمنوں کے ہاتھ میں پڑنے سے راز طشت از بام نہ ہو جائے - مجھے زبانی تمہارے سفیر نے بتلائے - جن کا اعتراف نمبر (۴) میں اس طرح سے دیا - کہ دل یورپ کے اتحادیوں نے تمہیں محصور کر لیا ہے - اور کچھ شہروں پر قبضہ بھی کر لیا ہے ـــــ مگر تم فکرمند نہ ہو - ہم تمہاری مدد کریں گے -

۶ - تم ہماری مدد لشکر سے چاہتے ہو - تاکہ تمہیں پھر سے آزادی مل جائے -

۷ - فرانسس کو سلطان نے نہایت ہی عمدگی سے باعزم و پُر استقلال رہنے کی نصیحت کی ہے - تاکہ وہ عجلت میں ہمت نہ ہارے - کیونکہ (نمبر ۹) کے مطابق وہ اپنے آباؤ اجداد کی مانند کمزور و مظلوم کی مدد پر جلد آئے گا - "گھوڑے شب و روز کسے کھڑے رہتے ہیں" - یا یوں کہئے کہ سلطان نے اشارتاً مدد کا وعدہ کر لیا ہے -

۸۔ اس کے بعد سلطان نے "دشوار گذار راستوں اور مضبوط قلعوں" کا ذکر کر کے فرانسس کو اشارتاً ایڈریانوپل۔ بلغراد اور بودا کے راستے اور قلعوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ یاد رہے۔ کہ محمد فاتح بھی بلغراد کے قلعے کو فتح نہ کر سکا تھا اور بودا تو بہت دُور تھا۔

۹۔ "تلواریں میان سے باہر رہتی ہیں۔" یہ فرانسس کو مزید تسلی کے لیئے لکھا ہے۔ کہ ترک ہر وقت جنگ کے لیئے تیار رہتے ہیں۔

۱۰۔ یہاں پر بحیثیت ایک صحیح مسلم کے سلطان نے فتح و شکست کا اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہونا تسلیم کیا ہے۔ اور غرور و تکبر سے علیحدگی کا اظہار کیا ہے۔

۱۱۔ تمہیں کیا کرنا ہوگا۔ وہ تم کو تمہارا سفیر بتلا دے گا۔ اور صیغۂ راز کی خاطر تحریر میں نہیں لائی گئی ہے۔

۱۰۔ امدادی منصوبہ

سلطان خود جرار لشکر لے کر پہلے بلغراد کی طرف بڑھا۔ اُسے فتح کر کے اُس نے 'بودا' کے قلعے کو بھی زیر کر لیا۔ اس کے بعد اُس نے مختلف سالاروں کو "مالوڈ لویا اور لیتھونیا کے صوبوں کو فتح کرنے کے لیئے بھیج دیا۔ آسٹریا کی سلطنت جو کہ کارنتھیا کے نام سے مختلف حکمرانوں کی حکومت کا مجموعہ تھی۔ اُس پر ان فتوحات کی وجہ سے کاری ضرب پڑی۔ سلطان خود 'بودا' میں مقیم رہا۔ تا کہ 'پولینڈ' یا جرمنی کی فوجیں کارنتھیا

کی مدد کو نہ جا سکیں۔ جرمنی کو فرانس سے بغلی گھونسہ کا ڈر تھا یہی حال جنوبی اٹلی کی حکومت کا تھا۔

(ب) اس کے ساتھ ہی سلطان کا ایک لشکر وزیر اعظم خیر الدین پاشا کی سرکردگی میں عین اسی وقت ٹیونس پر حملہ آور ہوا جبکہ سلطان بلغراد کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ٹیونس اور اسپین میں باہمی امداد کا سمجھوتہ تھا۔ لہٰذا اسپین ٹیونس کی مدد پر گیا۔ خیر الدین پاشا نے اس اتحادی فوج کو شکست فاش دی۔ اس حملہ کی وجہ سے فرانس اپنی پشت پر اسپین سے حملے کے امکانات سے بچ گیا۔

(پ) ان دونوں پیشقدمیوں کے ساتھ ساتھ سلطان عثمان نے ترکی بحری بیڑے کو صلیبی نائٹوں کے مستقروں پر جو کہ بحیرہ روم کے مختلف جزائر میں تھے۔ حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ اس قابل امیر البحر نے قبرص۔ روڈس۔ کریٹ۔ مالٹا جزائر کو جو کہ عرصہ سے اسلامی حکومت کے لیے کانٹا بنے ہوئے تھے، ختم کر دیا۔ یہ جزائر اس لیے آسانی سے فتح ہو گئے۔ کیونکہ کسی یورپی حکومت کو ان صلیبیوں کو مدد دینے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس وقت وہ سب اپنی اپنی جان کی خیر منا رہے تھے۔

لہٰذا سلطان نے ایک ہی وار میں ہر طرف سے دشمنوں کے خطرات سے فراغت حاصل کر لی۔ یہاں پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا سلطان نے اپنی فوج کو پراگندہ کر کے بہت بڑا خطرہ مول

نہ لے لیا؟ کیا یہ علم دفاع (ملٹری سائنس) کا اُصول نہیں ہے کہ اپنی فوج کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے پرہیز کیا جائے؟

یہ ضرور ہے۔ کہ یہ اُصول لکھا گیا ہے۔ مگر اسے گہرائی سے پڑھنا اور پھر اُس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ جنگ خطرات سے کبھی خالی نہیں ہوتی۔ مگر عاقل سپہ سالار وہ ہے۔ جو کہ خطرات کا صحیح جائزہ لے۔ اور پھر ان خطرات کو قبول کرے۔ جن کی وجہ سے دشمن پر اچانک حملہ کیا جا سکتا ہے۔ یا جہاں پر اُسے حملہ کی اُمید نہیں ہے۔ یا جہاں پر حملہ کرنے سے دُشمن پر کاری وار کامیابی سے کیا جا سکتا ہے۔ سلیمان سلطان کی ہر محاذ پر کامیابی اس امر کی دلیل ہے۔ کہ سلطان نے ہر محاذ کے حملہ کے متعلق نہایت دُور بینی سے غور کر کے جب منصوبہ بنا لیا۔ تو اُس پر نہایت مستعدی سے عمل کیا۔ جس کی وجہ سے اُس کی فتح یقینی ہو گئی۔

سلیمان اعظم کا دفاعی منصوبہ حضرت ابو بکرؓ کے اُس دفاعی منصوبے کی ایک بہترین تقلیدی مثال ہے۔ جو کہ آپ خلافت سنبھالنے کے وقت عمل میں لائے تھے۔ مدینہ خطرے میں تھا۔ کیونکہ تمام عرب کے قبائل اسلامی حکومت کو مٹانے کا تہیہ کر چکے تھے۔ مگر آپ نے پہلے ایک لشکر حضرت اسامہؓ کے تحت رومیوں کے خلاف بھیجا۔ اور پھر مدینہ کی مدافعت کے بعد آپ نے گیارہ لشکر مختلف ممالک میں اس غرض سے بھیجے تھے۔ تاکہ اسلام کے دشمن

اپنے اپنے ممالک میں رُک جائیں اور اپنے اپنے گھروں کو بچانے کی فکر کریں۔ حضرت ابو بکرؓ کا صرف ایک لشکر ایسا تھا۔ جسے موجودہ زمانے کی اصلاح میں سٹرائیکنگ فورس (STRIKING FORCE) کہنا چاہیئے اور وہ لشکر خالدؓ کا تھا۔ باقی لشکر سبسیڈری فورسز (SUBSIDERY FRCE) تھے۔ دُنیا بھر کی تاریخ میں شاید ہی کوئی دفاعی مثال ملے گی جس میں ایک نادار مملکت۔ کم اسلحہ فوج اور تھوڑی سی آبادی نے لاتعداد دشمنوں بہترین مسلح فوجوں اور بھرپور خزائن کی حکومتوں پر ایک ہی وقت میں لڑائی چھیڑ دی ہو۔ اور پھر اُسے نہایت ہی کامیابی سے ختم کیا ہو۔ جنگ عظیم اوّل، جنگ عظیم ثانی، نپولین کی لڑائیاں اور سکندر اعظم کے جنگی کارنامے ہمارے سامنے ہیں کہیں بھی بلا ہزیمت اور پسپائیوں کے بغیر اگر فتحیابی ہوئی بھی تو وہ پائیدار نہ تھی۔ حضرت ابو بکرؓ کی طرح سے سلیمان نے حالات کا صحیح طور سے جائزہ لیا اور پھر اُس کے تدارک کے لیئے عمل کے میدان میں آگیا۔

اب ذرا ان دفاعی حالات کو سنجیدگی اور گہرائی سے پرکھیئے۔ جو کہ سلطان کے سامنے تھے۔ یعنی اس وقت دولِ یورپ کیا کر رہے تھے اور اُن کا اصلی مقصد کیا ہو سکتا تھا؟

یورپ نے پہلے ایشیا میں صلیبی جنگیں لڑیں۔ اور ترکوں نے اُن کو ایشیا سے نکال کر اُن کے گھروں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا

تھا۔ یورپ کا کافی حصہ اب عثمانی سلطنت کا جزو بن چکا تھا۔ دول یورپ نے کئی بار یورپ کے میدانوں میں ناکامی سے صلیبی جنگیں لڑی تھیں۔ ابھی تک سمندر اُن کا تھا۔ مگر اب بحرِ رُوم اور اس کے جزائر خطرے میں تھے۔ یورپ کی تجارت ختم ہوتی نظر آ رہی تھی۔ ان حالات میں یورپ کے حکمرانوں کا یکجا ہو کر مسلم حکومت کا مقابلہ کرنا ایک قدرتی طرزِ عمل تھا اور سلطان نے یہ صحیح طور سے سمجھ لیا تھا۔ لہٰذا یہ بہت ممکن ہے۔ کہ سلطان کے سفیر کی کوشش کا یہ نتیجہ ہو کہ تُرکی سفیر نے فرانس کے بادشاہ کو جرمنی۔ اٹلی اور کارتھیا کے پُرانے عناد اور دُشمنی کی یاد دلا کر اُسے یورپ کے اتحاد سے باہر کر لیا ہو اور شاہ فرانس کو یقین دلایا ہو۔ کہ ضرورت کے وقت سلطان سلیمان فرانس کی مدد کو آ جائے گا۔ بہر حال فرانس کا اُس وقت دولِ یورپ سے الگ ہو جانا ترکی کے لیئے غیبی امداد تھی۔

فرانسیس کا مدد کے لیئے درخواست کرنا، ترکی ڈپلومیسی اور سٹرٹیجی کی بہترین مثال ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح سے مدینہ کے غیر مسلم قبائل کو یا تو اپنا حلیف بنا لیا تھا اور یا چونکہ زیادہ قبائل قریش سے مرعوب اور خائف ہونے کے باعث مسلمانوں کے حلیف جب نہ بنے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے ساتھ غیر جانبدار رہنے کا معاہدہ کر کے قریش کی طاقت کو کمزور بنا دیا تھا۔

دولِ یورپ کو اس طرح سے دو جماعتوں میں تقسیم کر کے سلطان نے پہلے جنگ کی مکمل تیاری کی اور جب اُس کے لشکر یکبار حرکت میں آئے۔ تو ایک طرف تو وہ فتوحات کرتا ہوا بُودا پہنچ گیا اور پھر کار ینتھیا کے حلیفوں کو یکے بعد دیگرے فتح کرتا ہوا چلا گیا۔ پھر سلطان خود تو بُودا میں ڈٹا رہا۔ تاکہ پولینڈ۔ جرمنی یا اٹلی کار ینتھیا یا ہنگری کی مدد کو نہ آ جائیں۔ اُدھر دوسرے محاذ پر اُس کے وزیر اعظم خیر الدین پاشا نے شمالی افریقہ کو روند ڈالا۔ اور اُس کے امیر البحر نے یورپی صلیبی نائٹوں کو اُن مستقروں سے باہر نکال دیا۔ جن پر وہ کئی صدیوں سے قابض تھے۔ جس کی بدولت بحرِ رُوم کی تجارت اُن کے زیرِ اثر تھی۔ ان نائٹوں کے نکالے جانے سے مسلم تجار بحرِ رُوم کے مالک بن گئے۔

کیا سلطان یہاں آکر رُک گیا؟

نہیں بلکہ اپنے حلیف کو سرفراز اور سرخرو کرنے کی غرض سے سلطان عثمان نے فرانس سے ایک عہد نامہ کیا۔ جس کی رُو سے تمام عیسائیوں کو بیت المقدس اور دیگر مقدس مقامات کی زیارت کرتے وقت نہ صرف امن و حفاظت کا وعدہ دیا۔ بلکہ تمام زائرین کی بہبودی، آرام و آسائش کے لیئے ان سب کو بہت بڑی مراعات بھی دے دیں۔ علاوہ ازیں سلطان نے ہنگری کے تخت پر جان زابولی کو بٹھا دیا۔ تاکہ اُن اطراف کی نگرانی اُس کا ایک حلیف کرے۔

اس واقعہ کے بیش برس بعد سلیمان کا یہ کارنامہ اُسے صحیح معنوں میں اعظم کہلانے کا مستحق بناتا ہے۔ بدقسمتی سے سلیمان آخر کار مات کھا گیا۔ ہوا یہ کہ اُس نے رُوسی شہزادی روکسالین سے جب شادی کر لی تو اُس نے میدان جنگ میں جانا بہت کم کر دیا۔ اور اس طرح سے رستم پاشا کا اثر بہت بڑھ گیا۔

تُرکی حکومت کے زوال کے اسباب

مولانا سعید احمد نے اپنی کتاب مسلمانوں کے عروج و زوال میں نہایت صحیح طور سے اس طرح لکھا ہے:

"سلیمان اعظم کے آخری دورِ حکومت میں ہی دولت عثمانیہ کا زوال شروع ہو گیا تھا۔ ۔ ۔ ۔ اولین سبب یہ ہوا۔ کہ اگرچہ سلیمان تین براعظموں اور دو بحروں پر حکومت کر رہا تھا اور اُس کی فوج بھی اتنی زیادہ تھی۔ کہ یورپ کی دولِ متحدہ کو بری اور بحری دونوں قسم کی لڑائیوں میں بیک وقت شکست دے سکتی تھی۔ لیکن اصل میں وہ خود محکوم تھا اور اُس کے اقلیم قلب و دماغ میں اُس کی رُوسی بیگم (RCOCLAME) کی حکومت و بادشاہت کا سکہ چلتا تھا۔

ولی عہد کا قتل: ۔ رُوسی بیگم کے بطن سے سلیمان اعظم کا ایک لڑکا سلیم نامی تھا۔ جو نہایت آوارہ۔ بدچلن اور شرابی تھا۔ بیگم کی خواہش تھی۔ کہ سلیمان کے بعد اُس کا بیٹا تخت نشین ہو لیکن مشکل یہ تھی۔ کہ سلطان کا ایک اور لڑکا مصطفےٰ جو کسی اور بیوی سے تھا

ولی عہد قرار پاچکا تھا اُسے سلطان نے خود مروا دیا اور امر واقعی یہ ہے کہ مصطفےٰ اپنی فوجی، دماغی اور انتظامی قابلیت کے لحاظ سے بجا طور پر اس کا مستحق بھی تھا۔ ۔ ۔ ۔ مصطفےٰ کی طرح اُس کے دوسرے بھائی بزید غریب کا بھی یہی حشر ہوا۔ ۔ ۔ ۔ شہزادہ بایزید اور اُس کے چاروں بیٹوں کو فوراً قتل کر ڈالا۔ ۔ ۔ ۔ سلیمان نے حرم سلطان کے اثر سے صرف اتنا ہی نہیں کیا۔ کہ اپنا جانشین ایک نہایت ہی نااہل اور نالائق شہزادہ کو بنایا۔ اگر معاملہ یہیں تک محدود رہتا۔ تو سلیم کا سلطان بننا غالباً ایسے بُرے نتائج کا موجب نہ ہوتا۔ کیونکہ کسی سلطنت کا نظام مستحکم ہوتا ہے۔ تو بادشاہ کی نالائقی کا تدارک اچھے کارکنوں کے حسنِ انتظام سے ہو جاتا ہے۔ مگر حرم سلطان نے تو سلیمان کو اس پر بھی آمادہ کیا کہ وہ شہزادوں کو محل ہی میں بند رکھ کر تعلیم و تربیت دلانے کا رواج ڈال دے۔ یہیں سے شاہی خاندان کا زوال شروع ہوتا ہے۔ شہزادوں کی تعلیم کے نصاب سے جسمانی تربیت اور عملی تجربے خارج کر دئیے گئے۔

قدیم زبانوں اور مختلف علوم و فنون کی تعلیم ان کو اب دی جاتی تھی لیکن تخت نشینی کے وقت تک وہ قصر شاہی کے باہر قدم نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس نئے رواج کا جسے کیج سسٹم (CAGE SYSTEM) کہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اب ایسے ایسے لوگ بادشاہ ہونے لگے۔ جو بند محل میں تعلیم پاتے تھے۔ عیش و عشرت اور تن آسانی کے عادی تھے

اور جنہیں کاروبار سلطنت سے کوئی واقفیت نہ تھی۔ ۔۔ ولی عہد
کے رواج کا سب سے بڑا الم ناک اور ہلاکت انگیز طریقہ یہ ہوتا تھا
کہ قصر شاہی طرح طرح کی ناپاک سازشوں اور فریب کاریوں کا مرکز بن
جاتا ہے۔"

حرم کے اثرات بد

فرانسیسی مورّخ ولاڑون نے لکھا ہے:۔
"سلطان کی محبوبہ خورمں کے بیٹے کے وارث
تخت و تاج ہونے کے لیئے بڑے بھائیوں کا صفایا ضروری تھا۔
رستم پاشا نے یہ کام اپنے ذمّے لیا۔"

صدر اعظم نے ایک خط سلطان کو لکھا جس میں شہزادہ مصطفےٰ
کے باغیانہ خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اور لکھا تھا کہ شہزادہ جاں
نثاروں کو بغاوت پر آمادہ کر رہا ہے۔ بات یہ تھی۔ کہ نوجوان شہزادے
کی شجاعت اور سخاوت پر سپاہی فریفتہ ہو گیئے تھے۔ اور علمی سرپرستی
کی وجہ سے وہ علما اور شعرا میں ہر دلعزیز تھا۔ اپنی بیوی کی عیارانہ
افترا پردازیوں سے سلطان کے کان بھرے ہوئے تھے۔ اور وہ
شہزادے کی تمام جھوٹی شکائتوں کو سچ سمجھے ہوئے تھا۔ اس پیام
کے پہنچتے ہی سلطان نے ایشیا کا رُخ کیا۔ تاکہ خود فوج کی کمان کرے
۲۱ ستمبر ۱۵۵۳ء کو شہزادہ مصطفےٰ سلطانی فرودگاہ پر آیا۔ یہاں اُس
کا نہایت اعزاز کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا۔ اور تزک و احتشام کے
ساتھ وہ خلوت گاہ سلطانی میں لایا گیا۔ مگر شہزادے نے خیمے میں قدم

رکھا ہی تھا۔ کہ سات آدمیوں نے بالکل خاموشی کے ساتھ موت کا پھندا اُس کے گلے میں ڈال دیا۔ غریب شاہزادے نے باپ سے بے سود مدد کی درخواست کرتے ہوئے جان دی۔ سلطان سلیمان پردے کے پیچھے کھڑا ہوا اس بھیانک نظارے کو دیکھ رہا تھا۔ مصطفٰے کا بیٹا جو بروصہ میں ہی رہ گیا تھا۔ اپنی ماں کی گود میں قتل کر دیا گیا۔

جان نثار فوج کا زوال

یہ دستہ اُسی وقت میدانِ جنگ میں جاتا تھا۔ جبکہ سلطان خود اُس کی کمان کرتا تھا اور ہمیشہ اہم معرکوں میں سلطان کی شرکت لازمی تھی۔ سلیمان نے جان نثاروں کو اس حق سے محروم کر کے آئندہ کے لیے اپنے جانشینوں کو فوج کی سالاری سے سبکدوش کر دیا۔ اور اس طرح سے اُن میں کاہلی پیدا کی پہلے کے سلاطین ہمیشہ جنگی خیموں میں رہتے تھے سلیمان کے جانشینوں نے محل سے باہر قدم ہی نہ نکالا۔

جان نثاروں کی فوج میں صرف مغرور عیسائی بچے ہی بھرتی نہ ہوتے تھے۔ بلکہ اُس میں وہ قسمت آزما بھی حصہ لیتے تھے۔ جو جان نثاروں کے حقوق سے فائدہ اُٹھانا چاہتے تھے۔ ان کو شادی کی اجازت تھی۔ اور بجائے اُن کے اُن کے بیٹے فوج میں بھرتی کر لیے جاتے تھے۔ وہ تجارت کرتے اور اپنے قلعوں میں آرام سے زندگی بسر کرتے تھے۔ اب سپاہیوں میں ان کا شمار نہ رہتا۔ بلکہ

شہری گنے جاتے تھے۔

اس فوج کی حیثیت جو پہلے سلطنت کی بہترین فوج تھی۔ اب ایک قومی دستے کی رہ گئی۔ جب تک سلیمان زندہ رہا۔ اور اس کے بعد جب تک صقولی نے اس کی روایت کو باقی رکھا۔ یہ تمام اسباب زوال دبے رہے۔ لیکن بعد میں جتنا جتنا ان کے ابھرنے کی کوشش نور وکا گیا۔ وہ روز روشن کی طرح نمایاں سے نمایاں تر ہوتے چلے گئے۔

سلطان سلیم ثانی

زوال کا آغاز

سلطان سلیمان جس نے اپنے دور حکومت کے پہلے حصے میں حکومت اور اسلام کی عظیم خدمت کی تھی۔ اس نے آخر مرنے سے قبل عثمانی سلطنت کی بنیادیں نااہل اور شرابی سلیم ثانی کو تخت پر بٹھلا کر کھوکھلی کر دیں۔

سلیم ثانی نے "زوستفنا" نامی یہودی کو اپنا مشیر بنا لیا۔ یہودی نے سلطان کو قبرص پر جہاں بغاوت ہوئی تھی۔ حملے کا اشتعال دلایا۔ اس حملہ کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ترکی کے بحری بیڑے کے

جنگی جہاز تباہ ہو گئے۔ لہٰذا یورپ کے متحدہ بیڑے نے جس کا لیڈر ہسپانیہ تھا۔ اُس نے ترکی پر پہلا کاری وار کیا۔ جو کہ ترکی کے زوال کا اوّلین سبب بنا۔

سلیم ثانی نے ۱۵۶۶ء سے ۱۵۷۴ء تک نو سال حکومت کی

مُراد خان ثانی سلیم ثانی کا بیٹا مُراد خان جو کہ کچھ طرز تعلیم کا پہلا تربیت یافتہ بادشاہ تھا۔ اپنے باپ سے بھی کہیں زیادہ عیاش اور شرابی ثابت ہوا۔ اُس کا سیاہ کارنامہ یہ تھا۔ کہ اُس نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے پانچ بھائیوں کو قتل کیا۔ اور صدر اعظم محمّد صقولی کے خاندان پر تباہی برپا کر دی۔ اور بہت سے اُمرا کو بھی معزول کر دیا۔ یہودی اقتدار میں آ گئے۔ اس کے عہد میں برّی فوج بھی زوال کی طرف جانے لگی۔ اس کی وفات ۱۵۹۶ء میں ہوئی۔

سلطان محمّد خان ثالث مُراد خان ثالث کے بعد اُس کا بیٹا محمّد خان ثالث نے تخت نشینی کی رسم کو اپنے پانچ بھائیوں کو اور دُوسرے چودہ لوگوں کو جو تخت کے دعویدار ہو سکتے تھے۔ قتل کر دیا اور ان سب کو اپنے باپ کی قبر کے ساتھ دفن کر دیا۔

سلطان محمّد خان کو شراب سے نفرت تھی۔ لیکن وہ خود افیونی

تھا۔ بہرحال اُس کا پہلا انتظامی حکم جو نکلا۔ وہ مسلمانوں کے لیئے شراب کی ممانعت پر تھا۔

درحقیقت یہ حکم مسلمانوں کی بہبودی یا صلاحیت کے خیال سے نہ تھا۔ بلکہ اُس کی وجہ یہ تھی۔ کہ ایک دن جبکہ سلطان ایک شراب خانے سے گذر رہا تھا۔ اُس میں بہت سے جاں نثار جمع تھے۔ کچھ جاں نثاروں نے جو بدمست تھے۔ سلطان سے گستاخی سے بالمشافہ گفتگو کی۔

اس حکم کے نکلنے پر جاں نثاروں اور سپاہیوں نے ہنگامہ برپا کر دیا۔ اس لیئے سلطان کو اپنا حکم واپس لینا پڑا۔ اب سپاہیوں اور جاں نثاروں کو شراب کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی گئی۔ کہ کوئی شورش ان سے سرزد نہ ہو۔

ان حالات کی خبر جب شاہ غازی نے سُنی۔ تو اُس نے جنگ کا اعلان کر دیا۔ اور لڑائی چھڑ گئی۔ قریب تھا۔ کہ ترکی لشکر شکست کھا جاتا۔ کہ مراد خان خود میدان جنگ میں آیا۔ اور جاں نثاروں کے دستے کے ساتھ دشمن پر حملہ آور ہوا۔ اور دشمن کو شکست دے دی۔ اس کے بعد وہ افیون نوشی اور عیاشی میں ایسا مصروف ہوا کہ پھر محل سے اُس کی لاش ۱۶۰۳ء میں نکلی۔

اُن ایام میں ترکی لشکر دو محاذوں پر لڑائی لڑ رہے تھے۔

عثمانی زوال کا پہلا سنگِ میل

سلطان احمد خان اوّل اپنے باپ محمد خان ثالث کی وفات کے وقت نیا سلطان صرف چودہ برس کا تھا۔ اس سلطان نے تخت نشین ہوتے ہی ایران کے میدانِ جنگ کی راہ لی۔ مسلسل بغاوتوں کی وجہ سے ایشیا میں عثمانی حکومت کمزور ہو چکی تھی۔ اُدھر ہنگری بھی جنگ کی تیاری کر رہا تھا۔ اس لیئے ۱۶۰۵ء میں ایرانیوں کی فتح ہوئی علاوہ ازیں ترکی فوج یورپ میں پھنسی ہوئی تھی۔

یورپی محاذ صدرِ اعظم نے ہنگری سے مصالحت کے لیئے سفارت روانہ کر دی۔ مگر سفرا کو ہدایت کر دی۔ کہ عجلت سے کام نہ لیں کیونکہ:۔

۱۔ آسٹریا کا بادشاہ جو کہ ترکی کا دشمن ہے۔ وہ بیدار مغز نہیں ہے۔ لہٰذا بہت ممکن ہے کہ ہنگری کے عوام آسٹروی جرمنوں سے بیزار ہو کر ترکوں سے مدد مانگیں۔

۲۔ ترکی فوج ایرانیوں پر فتحیاب ہو جائے۔

صدرِ اعظم کا اندازہ صحیح نکلا اور ہنگری والوں نے ۱۶۰۵ء میں ترکوں سے مدد مانگی۔ اور بوسکئی کو اپنا بادشاہ چُن لیا

ترکوں نے بوکسکئی کی درخواست پر اپنی فوج وہاں بھیج دی جس نے آسٹریا کی فوجوں کو شکست دے دی۔ آسٹریا نے بوکسکئی کو بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اور خفیہ طور سے بوکسکئی نے آسٹریا سے سمجھوتا کر کے دونوں لشکروں کو یکجا کر کے ترکوں کے خلاف محاذ قائم کر لیا۔

ایران کے محاذ پر شکست ہونے کی وجہ سے ترکی نے آسٹریا اور ہنگری سے ۱۶۰۶ء میں سیتوا اکرک کے صلحنامے پر دستخط کر دئے۔

عثمانی زوال کا سنگ میل

سیتوا اکرک کی اہم شرائط یہ تھیں:-

۱۔ آسٹریا نے تیس ہزار ڈوکٹ جو کہ وہ ترکی کو بطور خراج دیتا تھا موقوف کر دئے۔

۲۔ ہر دو حکومتیں درجہ میں مساوی قرار دے دی گئیں۔

۳۔ فوجوں میں مخالفت ممنوع قرار دے دی گئی۔

۴۔ قیدیوں کا باہمی تبادلہ منظور کیا گیا۔

۵۔ ممالک ہنگری اور آسٹریا کی طرف سے حدود مقرر کر دی گئیں۔ اور نئے قوانین نافذ کرنے وقت عثمانی حکومت کی طرف سے جو پابندیاں تھیں وہ ختم کر دی گئیں۔

اس صلحنامے کی وجہ سے یہ پہلا موقع تھا کہ:-

۱۔ یورپ کو عثمانی فتوح کی جانب سے خدشہ جاتا رہا۔ کیونکہ حدبندی کر دی گئی تھی۔

۲۔ تینوں حکومتوں کے تعلقات مساوات پر قائم ہو گئے۔

۳ - اس سے قبل جو قانون ترکی میں نافذ ہوتا تھا وہ تمام بیرونی سفراء پر بغیر اس کے مفہوم و مطلب سے واقف ہونے کے نافذ کر دیا جاتا تھا۔ مگر اب یہ بات نہ رہی۔ قبل از نفاذ فریقین کے ترجمان اس کو جانچ لیتے تھے۔ دوسرے صحیح الفاظ میں یوں کہیئے کہ دول یورپ صلح نامہ ستیوا کرک کے ضبط ہونے پر ترکی کے زوال سے بخوبی واقف ہوگئے اور وہ رہی سہی رکاوٹوں سے راستہ صاف کرنے کے لیئے مصروف ہوگئے۔ لہٰذا یہ صلحنامہ کارلوٹیز (CARLOWITZ) کے عہدناموں کا پیش خیمہ تھا۔

یورپ سے فارغ ہوکر صدر اعظم ایران کی طرف متوجہ ہوا۔ اور ۱۵ اگست ۱۶۱۱ء میں عثمانی سطوت کو فتوحات حاصل کرکے دوبارہ قائم کر دیا۔ مگر صدر اعظم کی عمر نے وفا نہ کی اور اس کا ۱۶۱۱ء میں نوے برس کی عمر میں انتقال ہوگیا۔

سلطان ۱۶۱۲ء میں جنگ سے دل برداشتہ ہوگیا اور اس نے ایران کو وہ تمام ممالک واپس کر دیئے۔ جو کہ سلطان سلیمان نے فتح کیئے تھے۔ یہ دوسرا موقع تھا جبکہ ترکوں نے اپنے ہاتھ سے شکار چھوڑ دیا اور اپنی معذوری کو تسلیم کر لیا۔

تمباکو نوشی

۱۶۱۲ء میں ہالینڈ نے فرانس اور انگلستان کے عہدناموں کی طرز پر ایک تجارتی معاہدہ کیا۔ اس معاہدے سے ہالینڈ والوں کو ترکی میں تمباکو کے

رائج کرنے کا حق عطا کیا گیا۔ مفتی نے اس بدعت کی مخالفت کی اور اس کے استعمال کی ممانعت پر ایک سخت فتویٰ جاری کیا۔

مشرقی شعرا تمباکو۔ قہوہ۔ افیون اور شراب کو عالم عشرت کے چار عنصر اور عیش کی گدی کے چار تکیئے قرار دیتے ہیں۔ برخلاف ان کے علمائے شریعت کے لیئے یہ چیزیں شہوت پرستی کے خیمے کے چار ستون اور شیطان کے چار وزیر ہیں۔ اس فتوے سے ترکی حکومت میں ہلچل مچ گئی۔ یہ حجّت پیش کی گئی۔ کہ تمباکو جسم میں نہیں رہتا۔ اس لیئے جسم اس سے ناپاک نہیں ہوتا۔ حضرت محمدؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی ممانعت نہیں فرمائی۔ مفتی کو کوئی حق نہیں ہے۔ کہ پیغمبرؐ سے زیادہ تشدّد سے کام لے۔ ان دلائل کی تائید میں سرائے کے سپاہیوں اور افسروں نے ہنگامہ برپا کرنے میں برابر کا حصّہ لیا۔ مجبوراً مفتی کو اپنا فتویٰ واپس لینا پڑا۔

تین سُلطان

۱۔ مصطفےٰ خان:۔ سلطان احمد خان اوّل کے بعد اُس کا بھائی مصطفےٰ خان جانشین ہوا۔ چونکہ یہ "کیج" کی حراست میں پرورش پا چکا تھا۔ لہٰذا عیاش و نفس پرست تھا۔ لہٰذا اُسے ایک سال ہی میں تخت سے علیحدہ کر دیا گیا۔ (۱۶۱۸ء)

۲۔ عثمان ثانی:۔ مصطفےٰ کے بعد احمد خان اوّل کا پندرہ سالہ

لڑکا تخت نشین ہوا۔ اس نے شروع میں تو مستقل مزاجی سے سلطنت کی۔ مگر بعد ازاں ایک حسینہ جو غیر کفو تھی۔ اس کے عشق میں پھنس گیا۔ رعایا نے بغاوت کی اور اسے ۱۶۲۲ء میں قتل کر ڈالا۔

۳۔ مصطفےٰ خان:۔ عثمان ثانی کے بعد مصطفےٰ کو پھر دوبارہ تخت نشین کیا گیا۔ چونکہ وہ نفس پرستی سے باز نہ آیا۔ لہٰذا اُسے پھر تخت سے اتار دیا گیا۔

مراد خان:۔ اس کے بعد عثمان کے بھائی مُراد خان کو ۱۶۲۳ء میں تخت نشین کیا گیا۔ جب سلطنت کی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی اور سب محاذوں پر جب ترکی فوج شکست کھانے لگی۔ تو ۱۶۳۸ء میں سلطان نے خود سالار بننے کا فیصلہ کیا اور ایک لاکھ سپاہ کے ساتھ بغداد گیا۔ تاکہ ایرانی فوج کو جو اُس پر قابض تھی اُسے نکال دے۔ سلطان نے فتح پائی مگر بغداد میں ہی سلطان بیمار ہو گیا اور ۱۷ سال کی حکومت کے بعد ۱۶۴۰ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

اس کے عہد حکومت میں مختلف مقامات پر فتنہ و فساد ہوتا رہا اور ترکی سلطنت سے کئی علاقے نکل گئے۔

سلطان ابراہیم خان یہ سلطان مراد خان ثانی کا بھائی تھا۔ مگر تخت نشینی سے قبل کیج کی قید

میں رہا تھا۔ صرف نفس پرستی اور عیاشی سے آشنا تھا۔ چونکہ اُس کے اُمرا اچھے تھے۔ لہٰذا انہوں نے انگریزوں کے بحری بیڑے کو بحیرۂ روم میں شکست دی۔ عیسائیوں نے بغاوت کی۔ مگر ان کو مغلوب کر دیا۔ سلطان کی خواہشات نفسانی چونکہ روز بروز بڑھتی گئیں اس لیئے اُمرا نے پہلے قید کر دیا۔ بعد ازاں جولائی ۱۶۴۸ء میں اُسے قتل کر دیا۔

سُلطان محمد خان رابع

۱۶۴۸ء سے ۱۶۸۷ء تک

اپنے مقتول باپ ابراہیم کے بعد اُس کا بیٹا محمد خان خورد سالی میں تخت نشین ہوا۔ اس کی تخت نشینی کے پہلے چھ سال اُمرا اور اراکین دربار کی سازشوں اور ملک کے اندر بغاوتوں کو فرو کرنے میں گزرے۔

ہنگری اُدھر ہنگری میں جرمنوں کے خلاف نفرت بڑھتی جا رہی تھی۔ آسٹروی جرمن افسر جو بھی ہنگری میں آئے۔ وہ ہنگری والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے اور اُن پر جبر و تشدد کرتے۔ آسٹریا کے بادشاہ لیوپالڈ کا مذہبی تعصب دیوانگی تک پہنچ گیا تھا اور جن عمائد پر اُسے یہ شک بھی ہو جاتا کہ وہ پروٹسٹنٹ فرقے کی طرف مائل ہے۔ تو اُن کو قتل کروا دیتا۔ ہنگری کا کونٹ ایمیرک

جیل خانے سے نکل بھاگا۔ اور اُس نے "خدا اور اپنے ملک" کے الفاظ کو اپنے جھنڈے پر لکھا اور بغاوت کر دی۔ ہنگری والے اُس کے ساتھ ہو گیئے اور آسٹریلوی فوجوں کو ہر مقام پر شکست دی۔ اولڈ برگ کی مجلس قوانین نے ۱۶۸۱ء میں ہنگری والوں کی شکایات کا جب ازالہ کر دیا۔ تو اس سیاسی چال سے ایمیرک کی جماعت کو بہت نقصان پہنچا۔ اس لیئے ایمیرک ٹیکیلی نے سلطان ترکی سے مدد کے لیئے استدعا کی۔ اس مدد کے بدلے میں ہنگری کی حکومت سپرد کرنے کا وعدہ کیا۔

ترکی اور آسٹریا میں التوائے جنگ کے لیئے جو مدت مقرر ہوئی تھی۔ وہ اگرچہ ختم نہ ہوئی تھی۔ پھر بھی مجلس ترکی نے اس کی پروانہ کر کے بودا کے گورنر کو ٹیکیلی کی مدد پر جانے کا حکم دے دیا۔ اور ساتھ ہی محمد مصطفٰے نے ایک لاکھ سے زائد فوج کے ساتھ ہنگری پر حملہ کر دیا۔ ترکی فوج کو چونکہ پے در پے کئی فتوحات حاصل ہوئی تھیں۔ اس لیئے وہ مغرور اور بدمست ہو گیئے اور ویانا کو فتح کرنے کے لیئے پیشقدمی کر دی۔ ٹیکیلی نے ترکوں کو ایسا کرنے سے بہت روکا۔ کیونکہ دفاعی حالات کے لحاظ سے یہ منصوبہ ناکارہ تھا۔ مگر قرہ مصطفٰے نے اس مشورہ کو نہ مانا۔

وائنا کی حفاظت استاربرگ کے ہاتھ میں تھی۔ جو کہ باعزم تجربہ کار جنگجو تھا۔ اس کے پاس قلعے میں صرف دس ہزار سپاہی

تھے۔ مگر اُس نے مدافعت کی تکمیل کے لیئے عوام میں سے پانچ رسالے دئیے۔ علاوہ ازیں اُس نے تمام باقی ماندہ عوام کو سرنگیں کھودنے میں لگا دیا۔ تاکہ جب ترکی فوج حملہ کرے تو سرنگیں اڑا کر اُن کو نقصان پہنچایا جائے۔ لیوپالڈ نے دول یورپ سے مدد مانگی اور پوپ نے بھی عیسائی دُنیا سے امداد کی اپیل کی۔ اس کے مقابل لوئی چہاردہم نے یورپ کے بہت سے حکمرانوں کو اس بات پر راضی کر لیا۔ کہ آسٹریا کی کوئی مدد نہ کرے۔ مگر سوبیسکی۔ امیر لارین سکسینی اور بویریا کی کمکی فوج موقع پر پہنچ گئیں۔ ترکوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ترکوں کو شکست فاش ہوئی اور ترک ایسے بھاگے کہ تین سو توپیں، پانچ ہزار خیمے۔ خزانے کے صندوق تک چھوڑ گئے۔ البتہ سنجک شریف (ترکی جھنڈا) تو بچا لے گئے۔ مگر باقی سب علم اپنے پڑاؤ پر چھوڑ دئیے۔ ترکی فوج کے کئی ہزار سپاہی مارے گئے اور بہت سے قید ہوئے۔

قرہ مصطفےٰ 'بودا' کی طرف ہٹا۔ مگر سوبیسکی نے تعاقب کیا۔ دُریائے طونہ کو پار کرتے وقت گھبراہٹ میں بہت سے ترکی سپاہی ڈوب کر مر گئے۔

قرہ مصطفےٰ نے آخری حملہ کیوں نہ کیا۔ کینمٹر۔ ولاثروں گیبر۔ اور دیگر مورخین نے مختلف وجوہات لکھی ہیں مثلاً :۔

ا۔ سلطان کی والدہ نے والئی بودا کے ذریعے مصطفےٰ کی فوج

میں انتشار ڈلوایا۔ کیونکہ مصطفےٰ اور والیٔ بودا دونوں سلطان کی بہن بیوہ سلطانہ سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ مگر سلطان کی والدہ خود مصطفےٰ کی عاشق زار تھی۔

۲۔ مصطفےٰ بیوہ لاڑی کے حسن کا شیدا تھا اور وہ دانسنا کو تباہ نہیں کرنا چاہتا تھا کہ کہیں اس کی محبوبہ نہ ماری جائے اس کے علاوہ اُسے وہاں سے بہت سی لوٹ کی اُمید تھی۔

۳۔ اُس میں دفاعی قابلیت محدود قسم کی تھی۔ ... ... وغیرہ وغیرہ۔

ہم اگر پہلی دو وجوہات کو رد کر دیں تو تیسری ایسی ہے جسے کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ کیونکہ قرۃ مصطفےٰ دشمن کی افواج کی نقل و حرکت سے بالکل بے خبر رہا اور اُس نے محصور دشمن کی کمک کو روکنے کی کوشش نہ کی بلکہ خود ہی محصور ہو گیا۔ ان حالات میں اُس نے اپنی فوج کے لیئے تباہی خود ہی مول لے لی تھی آخرکار اُسے نہ تو محبوبہ ہی ملی اور نہ دولت ہی ملی۔ البتہ اُس کا اپنا سر فوج والوں نے کاٹ کر اسلام بول بھیج دیا۔

ہنگری کا دارالسلطنت بودا ترکوں کے قبضے میں ۱۴۵ برس سے تھا۔ یہ شہر دفاعی لحاظ سے نہایت ہی اہم مستقر تھا۔ یہ وہ شہر تھا جہاں کئی بار صلیبی لشکروں کی ہنگری کے بادشاہ سے جنگ ہوئی۔ اور اسی شہر کے قبضے کے لیئے کئی بار ترکی اور صلیبی فوجوں میں خون بہا۔ سلطان ان تباہیوں کی بدنامی مٹانے کے لیئے وہ ایک

شاندار فتح سے اس داغ کو دھونا چاہتا تھا۔ اس لیے ستّر توپوں اور ساٹھ ہزار جاں نثاروں کے ساتھ وہ دشمن کے مقابلے کے لیئے موہاکز کی طرف بڑھا۔ موہاکز وہ مقام تھا۔ جہاں ترکوں نے ہنگری کی فوجوں کو سخت شکست فاش دی تھی۔ سلطان اب ۱۶۰ برس کے بعد اس فتح کو دُہرانا چاہتا تھا۔

۱۰ اگست ۱۶۸۷ء کو موہاکز کے مقام پر لڑائی ہوئی لیکن اس دفعہ عثمانیوں نے ایسی شکست فاش کھائی۔ کہ تمام توپ خانہ اور اسباب میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گیئے۔ ان مسلسل شکستوں سے ترکوں میں بے حد بے چینی پھیل گئی۔ ترکی فوج اور جانثاروں نے جب صدر اعظم کے خلاف بغاوت کر دی۔ تو وہ بلغراد بھاگ گیا۔ اب باغی سپاہیوں نے اسلام بول کا رُخ کیا۔ پہلے نئے صدر اعظم کو قتل کیا اور پھر سلطان کو قید کر دیا اور اُس کی جگہ اُس کے بھائی سلیمان کو ۸۔ نومبر ۱۶۸۷ء میں تخت پر بٹھلا دیا۔

ان شرمناک حالات سے ترکی حکومت اور فوج کے نظم کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ فوج اور اُمرا جس نالائق کو چاہتے تھے دیکھ کے جیل خانے سے نکال لیتے تھے اور اُسے اُس وقت تک بادشاہ رہنے دیتے تھے۔ جب تک وہ اُن کی مرضی کے بموجب کام کرتا تھا۔

سلطان سلیمان ثالث

۱۶۸۷ء تا ۱۶۹۱ء

سلیمان جب کنج سے باہر نکالا گیا۔ تو وہ پرانے مجرم کی طرح سے جس کو قید خانے کی زندگی سے خاص اُنس ہو جاتا ہے اب قفس کو چھوڑنے اور بادشاہ بننے کو تیار نہ تھا۔ مگر فوج والوں نے اُس کی ایک نہ سُنی اور اُسے جبراً سلطان بنا دیا۔ باغی سالاروں نے خزانے لوٹ لیئے اور اپنے ہی افسر مختلف ولائیتوں کے گورنر بنا دئے۔ جاں نثاروں کے "آغا" نے جب مخالفت کی۔ تو اُسے قتل کر دیا اور شویش پاشا صدر اعظم کو اُس کے محل میں قید کر دیا۔ جب شویش پاشا مردانگی سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ تو باغیوں نے صدر اعظم کی بیوی اور بہن کی بے حرمتی کرنے کے بعد انہیں بازار میں گشت کرایا۔ اسی طرح سے احکام اور دوسرے معزز لوگوں کی عورتوں کی بے حرمتی کی۔

اس بربریت اور ناشائستہ حرکات نے زور پکڑ لیا تو عوام اور علما نے ان باغیوں کے خلاف جہاد شروع کیا۔ جاں نثار اور سپاہی اس مقابلے کی تاب نہ لا سکے۔ اور اطاعت قبول کر لی عوام نے کپرولی زاد "مصطفےٰ" کو صدر اعظم چن لیا اور صدر اعظم رودسٹوی پاشا جو کہ نا اہل ثابت ہو چکا تھا۔ اُسے بھی ہٹا دیا۔

شہر پناہ بین

مسلمانوں کی دشمن حکومتوں نے اس انتشار سے فائدہ اٹھایا۔ اور کار خانے۔ لاڈیا۔ سکاکس۔ اسٹولوسمبرگ۔ بلغراد۔ تھیبس اور کار نیوجیسے مقامات پر قبضہ کر لیا اور ترکی حکومت کے سامنے بہت ذلیل اور سخت شرائط پیش کیں۔ ترکی نے ان کو رد کر دیا۔ عین اس وقت فرانس جو آسٹریا اور اس کے معاونوں کو طاقتور دیکھنا پسند نہ کرتا تھا۔ اس نے حملہ کرنے کی دھمکی دی۔ اس وجہ سے آسٹروی فوجیں ترکی علاقے سے سمٹ کر دریائے رائن کے قرب میں اپنی حفاظت کے لیئے جمع ہو گئیں۔ دونہ، کارٹانٹز (کروشیا) بلووجینا (سربیا)۔ نش کے مقامات پر ترکی فوجوں کی شکست پر شکست کے بعد ترکی حکومت نہایت سخت خطرے میں پڑ گئی۔

جہاد فی سبیل اللہ

اس نئے کپرولی نے نہایت قابلیت سے سرکاری خزانے پھر سے بھر دئے۔ فوجوں اور بیگمات ملازمین کی تنخواہوں کی ادائیگی کا انتظام کر دیا۔ اور سپاہیوں کو فرمان کے ذریعے آگاہ کیا۔ کہ "مجھے صرف اُن لوگوں کی فوج میں ضرورت ہے۔ جو جہاد فی سبیل اللہ کے لیئے تیار ہوں۔" تجارت میں سہولتیں پیدا کر دیں۔ عدالتوں میں اصلاح کی اور عوام کے دلوں میں حکومت کا اعتماد پیدا کر دیا۔

اس صبر و تحمل اور حکمت عملی کا نتیجہ یہ ہوا۔ مورہ حکومت جو

باغی ہوگئی تھی۔ پھر سے ترکی کے تحت میں خوشی آگئی۔ اس کے بعد ایتھینز کی حکومت بھی ترکی کے ساتھ پھر سے شامل ہوگئی۔ ان حالات پر قابو پانے کے بعد کپر دلی نے پہلے حربستان کی بغاوت فرو کی۔ اور نش۔ ڈون۔ سمندریہ اور بلغراد کو دوبارہ فتح کر لیا۔

اسباق:۔ ۱۔ یہ حالات یہ ثابت کرتے ہیں کہ امن اور میدان جنگ میں یعنی دونوں جگہ فوج میں نظم کا قائم رکھنا از حد ضروری ہے۔ بدنظم فوج دونوں جگہ بہت خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔ فوج اور اُس کے افسروں کو سیاست میں حصہ لینے کی اجازت نہ ہونی چاہیئے۔ ہماری اس سے یہ مُراد نہیں ہے کہ وہ بالکل کورے رہیں۔ بلکہ اُن کو اجتماعی طور سے سیاسی پارٹیوں سے الگ رہنا چاہیئے۔ اُن کا فرضِ ملک کی حفاظت اور امن کو قائم رکھنا ہے۔

علاوہ ازیں سیاستدانوں کو بھی یہ خوب سمجھنا چاہیئے۔ کہ شیخ سعدیؒ نے جو آج سے کئی صدیوں پہلے فرمایا تھا" زر بارہ مرد سپاہی را تا جاں بدہد ... ." آج بھی اٹل ہے۔ جمہوری اور اشترا کی حکومتیں سب اس نصیحت پر بہت پابندی سے عمل کر رہی ہیں۔ اگر سپاہی اپنے گھرانے والوں کی پریشانیوں سے بے چین ہے۔ تو وہ دلجمعی سے ہرگز ہرگز نہیں لڑ سکتا۔ اگر اُس کی تنخواہ

ناکافی ہے۔ تو بھی وہ مطمئن نہ ہوگا اور اس کمی کو پورا کرنے کے لیئے
دُوسرے ذرائع تلاش کرے گا۔

۲۔ استقلال تحمل اور نیک ارادوں پر عمل کرنے سے بدترین
حالات بھی جلد سُدھر جاتے ہیں۔ کیرولی زادہ مصطفےٰ نے ایک
بار پھر گرتی ہوئی ترکی حکومت کو سنبھال دیا۔ عوام میں جذبۂ جہاد
پیدا کر دیا۔ اُس نے پہلے بدی کے خلاف جہاد کیا۔ پھر اپنے
ملک کے دشمنوں کے خلاف جہاد کیا۔

جہد فی سبیل اللہ نے اپنا نیک اثر آشکارا کر دیا۔

۳۔ دشمن کے خلاف جب ایک حلیف کارگر دباؤ ڈالتا ہے۔
تو دشمن کو مجبوراً اپنی گرفت کو ڈھیلا کرنا پڑتا ہے۔ پہلے سلیمان اعظم
نے فرانس کے بادشاہ لوئی کی اُس کے دشمنوں پر حملہ کر کے مدد
کی۔ اب فرانس کی باری تھی اور اُس نے آسٹریا کی توجہ رائن دریا
کے علاقے کی طرف مبذول کر کے ترکی کو دم لینے کا موقع دے دیا۔
اس مدد کی وجہ سے ترکی حکومت کو اپنے تئیں منظم کرنے کا موقع مل گیا۔

احمد خان ثانی

۱۶۹۱ء تا ۱۶۹۵ء

سلیمان ثالث کے انتقال کے بعد اُس کا بھائی احمد خان
ثانی تخت نشین ہوا۔ ترکی فوج نے ۱۶۹۱ء میں بلغراد میں سیادش

کو قتل کر کے فساد بپا کر دیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر امیر بالڈون نے ترکی علاقے پر حملہ کر دیا۔

سلطان کبیرزاد مصطفےٰ پاشا کو زیر کرنے کے لیئے بھیجا۔ سالنکیسیم کے مقام پر لڑائی ہوئی۔ مصطفےٰ پاشا جب بالڈون کے رسالے پر کامیابی سے جوابی حملہ کر رہا تھا۔ تو اس کے گولی لگی۔ اور وہ مارا گیا۔ سپہ سالار کے مرتے ہی ترکی فوج کے پاؤں اُکھڑ گیئے۔ اور اس کو شکست فاش ہوئی۔ ۸۲ ہزار زخمی ہوئے یا مارے گیئے۔ اور اپنی ۵۰ توپیں ترک میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گیئے۔

اسلامی علم و فلاح کے اُصولوں اور روایات سے لاعلمی

اس شکست سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ابھی تک ترکی فوج صرف ایک آدمی کے بھروسہ پر لڑ رہی تھی اور یہ فوج مسلم اسلامی روایات کو بھول چکی تھی۔ کہ سالار کے مارے جانے سے فوج کو بدستور عزم سے لڑنا چاہیئے۔ جنگ موتہ میں یکے بعد دیگرے تین سپہ سالار رومیوں کے مقابلے میں مارے گیئے اور چوتھے سپہ سالار خالدؓ تھے جنہوں نے اپنے استقلال اور عزم و نظم اور روشن دماغی سے نہ صرف حالات پر قابو پا لیا۔ بلکہ رومیوں کو شکست دے دی۔

اسی قسم کے واقعات کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جن افواج کو اسلامی روایات سے شناسائی نہیں ہے وہ امتحان و آزمائش کے وقت پوری نہیں اُترتی ہیں۔

سُلطان مصطفےٰ خان ثانی

۱۶۹۵ء تا ۱۷۵۲ء

خط شریف مصطفےٰ جب تخت نشین ہوا۔ تو اُس نے تخت نشینی کے تیسرے ہی دن ایک فرمان جاری کیا۔ جو خط شریف کے نام سے مشہور ہے۔ اُس کے اہم الفاظ یہ تھے:۔

۱۔ سابق سلطان آرام طلب اور اپنے فرائض سے ناآشنا تھے۔ لہٰذا فوج کی سالاری ماتحتوں کے ہاتھ میں دے دی تھی۔

۲۔ ہم سب پر جہاد فرض ہے۔ لہٰذا آئندہ مہم پر فوج کی سالاری ہم خود کریں گے۔

۳۔ فوج جہاد پر کوچ کے لیئے تیار ہو جائے۔

اُمرائے جب سلطان کو اپنی ہستی کو خطرے میں ڈالنے سے روکا۔ تو اُس نے سب کو یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ "میں اپنے کوچ کے ارادے پر مُصر ہوں۔

۱۶۹۵ء میں کامیاب افتتاح سُلطان نے سب سے پہلے میرومور ٹوقزاقی

بحری بیڑے کو شکست دے کر اُسے ختم کیا اسی طرح سے خان تاتار کو ملستان ہی میں شکست دی۔ اس کے بعد رُوسیوں کو شکست دی اور وہ "ازوف" کا محاصرہ اٹھا کر چلے گئے۔ جب یہاں سے فراغت ملی۔ تو سلطان بذاتِ خود ہنگری میں گھس گیا۔ پہلے "لیپا" کو فتح کیا۔ جنرل "ویٹارنی" نے شہر "لوگس" کے قریب سلطان کی پیشقدمی کو روکنے کی کوشش کی۔ مگر سلطان نے شکست دی۔ اس جنگ میں جنرل ویٹارنی مارا گیا۔

اب سلطان "والئی سیکسنی" کے مقابلے کے لیئے آگے بڑھا اور ۱۶۹۶ء میں "اولاش" کے مقام پر "والئی سیکسنی" کی فوج کو تتر بتر کر دیا۔ ۱۶۹۷ء میں دو لتین پاشا نے یورپین افواج کی پیشقدمی کو "دریائے ساوا" کو دوبارہ عبور کرنے سے روک دیا۔ اس کامیابی پر اس قدر مسرت منائی گئی، کہ حکومت اور عوام دونوں دنیا سے بے خبر ہو گئے کیونکہ انہی ایام میں رُوس نے پیشقدمی کر کے "ازوف" کے مستقر پر پھر سے قبضہ کر لیا۔ اس کے علاوہ دُوسری جانب دول یورپ یکجا ہو گئے اور انھوں نے "یوجین" والئی سوائے کو اس متحدہ فوج کا سپہ سالار مقرر کیا۔ یوجین ہوشیار، تجربہ کار، چالباز اور جنگجو سالار تھا۔

یوجین نے نہایت قابلیت کے ساتھ اپنے دفاعی منصوبے کے مطابق ترکی فوج کو دریائے تھیس کے سنگم کے قریب مقام "زنتا" پر لا پھنسایا۔ ترکی فوج اب مقید و محصور سی ہو گئی۔ اس جنگ میں

بیس ہزار ترک آسٹرویلوں کی گولہ باری سے مارے گیئے۔ آسٹرویلو کی گولہ باری چونکہ اچانک اور بہت کارگر ہوئی۔ ترکی سپاہی جو فتوحات کے نشے میں سرشار ہونے کی وجہ سے لاپروا ہو گئی تھی اب بالکل گھبرا گئی اور بھاگ نکلی۔ تقریباً دس ہزار ترک تو دریا میں ڈوب گیئے جو فوج بچی۔ اُس میں بغاوت شروع ہو گئی۔ سلطان نے بذاتِ خود فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مگر بغاوت بڑھتی گئی۔ اُدھر دشمن کی فوجیں ہر طرف بڑھ رہی تھیں۔ لہٰذا سلطان نے برطانیہ اور ہالینڈ کی وساطت سے صلح کر لی۔ اور تخت سے دست بردار ہو گیا۔

اس جنگ سے اہم سبق یہ ملتا ہے۔ کہ یوجین نے غزوۂ بدر کی طرح سے اپنے دشمن ایسے مقام میں لا گھیرا۔ جہاں ترکی رسالہ آسٹریا توپ خانہ کے سامنے بیکار ہو گیا۔ اور توپ خانہ کا مورچہ ایسی ہوشیاری سے چنا گیا تھا۔ جیسا کہ غزوہ اُحد میں تھا۔ جہاں کہ خالدؓ جیسے بہادر سالار کے رسالے کو تیر اندازوں کے سامنے حملہ کرنے سے باز رہنا پڑا تھا۔

وہ سالار جو دشمن کی چالوں سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ اُسے آخرکار ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ اگر سلطان حالات سے باخبر رہتا تو وہ پہلے روسیوں کو ختم کر دیتا اور پھر یوجین کو فوجیں جمع کرنے سے پہلے ہی ختم کر دیتا۔ کیونکہ دشمن نے یہ تیاریاں گو ۱۶۹۷ء سے شروع کیں۔ مگر اُن کو ۱۷۰۳ء میں عمل لائے۔ یعنی سلطان تقریباً چھ برس

کم از کم دُنیا و مافیہا سے بے خبر رہا ؎

بہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرُومی
جو خود بڑھ کر اُٹھائے ہاتھ میں مینا اُسی کا ہے

صُلح نامہ ان حالات سے برطانوی سفیر نے پُورا فائدہ اُٹھایا اور بہت سے وُزرا کو رشوت دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ فرانسیسی سفیر نے گو بہت کوشش کی۔ کہ ترک "رسوک" کے عہدنامے پر دستخط کر کے دُوسرے شاہان یورپ کی چالبازیوں سے بچ جائے اور فرانس کی طرف سے یقین دلا دیا کہ وہ اپنی تمام طاقت سے ترکی کی مدد کرے گا۔ مگر ترکی مجلس جو رشوت کی کافی رقم قبول کر چکی تھی۔ اس نے تمام گفت و شنید کا یہ کہہ کر خاتمہ کر دیا کہ فرانسیسی سفیر بیکار جھگڑوں میں نہ پڑے۔ اس وقت ضرورت صلح کی ہے لہٰذا یہ مجلس صلح پر دستخط کرے گی اس وجہ سے "کارلوٹز" میں صلحنامہ پر دستخط کر دیئے۔ جس کی وجہ سے۔

۱۔ آسٹریا اور ترکی نے پچیس سال تک التوائے جنگ کا اقرار کیا۔
۲۔ ترکی نے ہنگری اور ٹرانسلونیا کو لیوپالڈ کے حوالے کر دیا اور سرحدیں مقرر کر دی گئیں۔
۳۔ رُوس کا ازوف پر قبضہ مان لیا گیا۔
۴۔ بندوقیہ نے مورہ اور ڈلمیشیا حاصل کر لیا۔ اور تمام خراج جو ترکی کو ملتا تھا۔ وہ موقوف ہو گیا۔

۵۔ ترکی حکومت کی پہلی بار تقسیم ہوئی اور اب ترکی پولینڈ اور ہنگری کے درمیان مقید ہوگیا اور اس صلحنامہ نے بلند آواز سے یہ اعلان کیا۔ کہ ترکی حکومت کا زوال اب یقینی طور سے شروع ہوگیا ہے۔ کیونکہ ترکی کے جاں نثار دستے اور سپاہی بغاوت کرنے کے عادی ہوگئے ہیں۔ اور اب جفاکشی ہونے کی بجائے آرام طلب، شراب نوش اور افیونی بن گئے ہیں۔ اُدھر عرب اور ایرانی علاقے ترکی حکومت سے بغاوت کرکے اُسے کمزور تر بنا رہے ہیں۔

صلحنامے کے بعد بڈھے کیرولی احمد نے سلطنت کو ڈوبنے سے بچانے کی بہت کوشش کی۔ اصلاحات سے مالی حالت کچھ درست کردی۔ عوام کو احکامات الٰہی کی طرف متوجہ کیا۔ مساجد کو پھر بارونق بنایا۔ مگر جب فیودن پاشا جو احمد کیرولی کا معاون اور جاں نثار تھا۔ مرگیا تو دشمنوں نے پھر سے سر اُٹھایا۔ اُن کا سب سے بڑا حامی مفتی اعظم تھا۔ جو راشی اور بد دیانت تھا۔ اُس نے کیرولی کے بھتیجے زبیلی زاد علی پر سلطانہ کی محبت کا جرم عائد کرکے اُسے مروادیا۔ اس غم سے بڈھا کیرولی مایوس ہوگیا اور قلمدانِ وزارت سلطان کو واپس کردیا۔ اس کے سترہ دن بعد یہ نامور، وفاشعار اور نیک سیرت و قابل صدر اعظم دنیا سے رحلت کرگیا۔

احمد خان ثالث

مصطفےٰ خان کے بعد اُس کا بھائی احمد خان ثالث تخت نشین ہوا۔ مصطفےٰ خود ایک سال کے بعد مر گیا۔

احمد خان نے کیرولی کی جگہ بلطجی محمد پاشا کو صدر اعظم مقرر کیا۔ ان دونوں نے مل کر فوجی بغاوت کے فرو کرنے کی بہت کوشش کی۔ اور اس بغاوت کی بھینٹ جب تک شیخ الاسلام اور دیگر کئی اُمرا کو قتل کر کے نہ چڑھا یا گیا۔ امن قائم نہ ہوا۔ کئی شوریدہ سر اُمرا یا تو خود ملک چھوڑ کر بھاگ گئے یا اُن کو جلاوطن کر دیا گیا۔

زار روس پطرس اعظم

عیسائی حکومتوں نے ترکی سلطنت پر دست درازی شروع کر دی۔ زار پطرس اعظم اس اُمید پر کہ تمام عیسائی رعایا ترکی کے خلاف بغاوت کر کے اُس کے ساتھ مل جائے گی۔ لہٰذا وہ ترکی کے علاقے میں گھس آیا۔ لیکن کیرولی کی عقلمندی کی وجہ سے پطرس کو سخت مایوسی ہوئی۔ کیونکہ عیسائی ترکوں کے جانبدار رہے۔ محمد پاشا ایک لاکھ ترکی سپاہی لے کر آگے بڑھا۔ بہت سے تاتاری ترکی فوج سے روسیوں کے خلاف مل گئے۔ روسی لشکر دریائے پرتھ پر مقیم تھا۔ محمد پاشا اور تاتاریوں نے روسی فوج کو گھیر کو محصور کر دیا۔

روسی لشکر کے پاس رسد نہ رہی اور اُس کے راستے کٹ

چکے تھے۔ سامان جنگ بھی موسم کی خرابی کی وجہ سے جو خراب ہو چکا تھا۔ اُسے پورا کرنے کا بھی کوئی ذریعہ نہ تھا۔ روسی فوج بہت خطرناک حالت میں تھی۔ کیونکہ ایک طرف دریا تھا دوسری جانب دلدل تھی۔ سامنے کے پہاڑی دروں پر ترکی فوج قابض تھی۔

پیٹر اعظم کی ملکہ کیتھرائن حسن وجمال کے علاوہ ذہانت و ذکاوت میں بہت ممتاز تھی۔ اُس نے تدبیر یہ کی کہ محمد پاشا کو بے شمار دولت سونے کے زیورات اور جواہرات اور حسین کنیزیں بطور رشوت بھیجکر محمد پاشا کو معاہدہ کرنے پر راضی کر لیا۔ محمد پاشا زرینہ کیتھرائن کے دام میں گرفتار ہو گیا اور اُس نے محاصرہ اٹھا لیا۔ روس نے چونکہ ازوف واپس کر دیا اور دریائے ازوف پر جو نئے قلعے روس نے تعمیر کیے تھے۔ اُن کو بھی منہدم کرنے کا وعدہ کر لیا۔ اور ترکوں کی یہ شرط بھی مان لی۔ کہ روس سکون کے معاملات میں آئندہ دخل نہ دے گا لہٰذا بظاہر یہ معاہدہ ترکی کے لیئے مفید معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس موقع پر بددیانتی نے وہ کام کیا جو کسی طاقت سے ممکن نہ تھا۔

بدترین گناہ ترکوں کے ہاتھ میں اُن کا بدترین دشمن تھا جسے اُن کے صدر اعظم نے غداری اور بددیانتی سے چھوڑ دیا۔ روسی فوج اور زار پیطرس (پیٹر) اعظم کو اگر وہاں پرہی

تباہ کر دیا جاتا۔ تو ترکی حکومت کا نہ صرف بدترین دشمن ختم ہو جاتا، بلکہ ترکوں کی عظمت یورپ والوں کے دلوں میں بہت ہی بڑھ جاتی۔

چارلس دوازدہم کو جب یہ معلوم ہوا۔ تو غصے سے آگ بگولا ہو گیا، اور محمد پاشا کو بہت تلخی کے ساتھ ملامت کی۔ کہ پیٹر کو کیوں ختم نہ کر دیا؟

عذر گناہ:۔ محمد پاشا نے بے پروائی سے جواب دیا۔ کہ اگر میں اُسے قید کر لیتا یا ختم کر دیتا تو روس کی سلطنت پر حکومت کون کرتا ——؟ یہ ٹھیک نہیں کہ بادشاہ اپنی سلطنتوں سے جُدا کر دئے جائیں!

یہ لغویت عثمانی صدر اعظم کے نزدیک حکیمانہ ظرافت اور ڈپلومیسی تھی۔ اس کے اس غلط اقدام کا ترکی حکومت کو بہت سخت خمیازہ بھگتنا پڑا۔ یہ قدرتی امر ہے کہ زیادہ تر عیسائی مورخین نے محمد پاشا کے طرز عمل کو نیک نفسی اور عالی ہمتی قرار دیا ہے۔ مگر ہم ان سے اتفاق نہیں کر سکتے۔ ہم عذرِ گناہ کو بدتر از گناہ تسلیم کرتے ہیں۔ اس رشوت خوری کی مثال کو چونکہ صدر اعظم نے پھر سے تازہ کر کے قائم کر دیا۔ لہذا بعد ازاں جہاں جہاں ترکی لشکر مثلاً یورپی محاذ یا ایران کے محاذ پر بھیجے۔ وہاں پر ترکی فوجوں کو شکست ہوئی۔ کیونکہ ان کے سالار رشوت لیتے تھے۔ فوجوں نے پھر بغاوت شروع کر دی۔ اور آخر کار باغیوں نے سلطان احمد خان

کو بھی تخت سے اُتار دیا۔

ہمارا مقصد جیسا کہ ہم ابتدا میں بیان کر چکے ہیں۔ ہمارا مقصد سلطنت ترکیہ عثمانیہ کی مفصل تاریخ لکھنے کا نہیں۔ بلکہ ہم آپ کی توجہ علم دفاع کے اُن اُصولوں کی طرف مبذول کرنا چاہتے ہیں۔ جن کی بدولت ترکوں نے ترقی کی۔ عروج پر قائم رہے۔ زوال کی رفتار کو روکے رکھا۔ اور موت سے کشمکش کرکے زندہ رہے۔ اس لیئے ہم نے پہلے بھی اختصار سے کام لیا اور اب اُسی اُصول پر قائم رہیں گے۔

پہلے حکمران فوج کے مالک تھے۔ فوج اُن کے تابع تھی۔ اُس میں نظم تھا۔ وہ جفاکشی کے عادی تھے۔ فنِ حرب کے ماہر اور اسلامی روایات سے سلطان۔ اُمرا اور سپاہی یکساں طور سے بخوبی واقف تھے اور اب وہ زمانہ آگیا تھا جبکہ ترکی فوج نے بغاوت کرنا عہدگی سے سیکھ لیا تھا۔ اب فوج "بادشاہ گر" تھی۔ لہٰذا جب اور جس وقت وہ چاہتے تھے کسی ایک شاہزادے کو کُنج میں سے نکالتے اور اُسے خلیفہ بنا دیتے تھے اور جب تک یہ نیا خلیفہ اُن کے اشاروں پر چلتا تھا اس وقت تک اسے تخت پر قائم رہنے دیتے۔ سپاہیوں کی طاقت کینے یا باغی پن کی تنظیم اُن ایام کے علما اور متقدس بزرگوں کے ہاتھ میں تھی۔ یہ حضرات لکیر کے فقیر تھے۔ اور کسی ایسی نئی اصلاح کو قبول کرنے کے لیئے ہرگز تیار نہ تھے۔ جس کی وجہ سے لوگوں میں بیداری

ہو جائے اور اس طرح سے اُن کو روپیہ بٹورنے میں وقت ہو۔ یا یوں کہئے۔ کہ اُن کو نہ تو اسلامی بہبودی کا خیال تھا۔ نہ ہی اسلامی ترکی حکومت کے استحکام کی فکر۔ وہ تو اپنے حلوے مانڈے کے لیئے ہر ممکن سعی کرتے تھے اور اُن کو اس بات کی پرواہ نہ تھی کہ احکاماتِ قرآنی یا روایاتِ اسلامی کیا ہیں اور اُن کی حرکات کا اثر ترکوں اور مسلمانوں پر کیا کیا ہوگا!

اب رہے اُمرا تو اُن کے متعلق کہا جا سکتا ہے۔ کہ خربوزہ دوسرے خربوزہ سے رنگ پکڑتا ہے۔ یہ سب عشرت و عیاشی، نفس پرستی میں سلطان یا علما سے کم نہ تھے۔ بیرونی حکومتوں سے رشوتیں لیتے تھے اور اُن کے زرخرید غلام تھے۔

خلیفہ خود سفرا کے ذریعے بیرونی حکومتوں سے نذرانوں کی صورت میں رشوت لیتا تھا اور درحقیقت اُس کی نفسانی حرصوں کو پورا کرنے کا سب سے اہم مالی ذریعہ یہی تھا۔ اور یہ قدرتی امر ہے کہ کچھ اُمرا خلیفہ کے دوست کہلانے کی وجہ سے اپنا پیٹ بھی بھرتے تھے اور خلیفہ کو بھی بیرونی حکومتوں سے روپیہ دلواتے تھے۔

لہٰذا ان حالات میں ترکی حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے سیاسی ریشہ دوانیاں ملک کے ہر کونے میں رائج تھیں۔ جب حکومت کی حالت ایسی ہو۔ تو غداروں کو موقع مل جاتا ہے کہ اسلامی حکومت کے دشمنوں سے مل کر حکومت کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچائیں۔

رُوس کا بغلی گھونسہ

۱۷۳۶ء میں زارِ رُوس جو ترکی کے ہاتھوں بُری طرح سے ہزیمت کھا چکا تھا۔ اب انتقام کے لیئے ایسے وقت میں حملہ آور ہوا۔ جبکہ ایران کے جرنیل نادر شاہ نے ترکی کے علاقے کرکوک میں تباہی مچا رکھی تھی۔ اس لیئے ترکی نے مجبوراً ایران اور رُوس سے دَب کر صلح کر لی۔ ایران اور ترکی میں وہ حدُود قائم ہوگئیں۔ جو کہ مُراد چہارم کے عہدِ حکومت میں تھیں۔ اس زُمرہ میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے۔ کہ رُوس اور ترکی میں التوائے جنگ کا عہدنامہ تھا۔ مگر طاقتور رُوس نے کمزور ترکی کے خلاف عہدنامہ توڑنا ایک جائز فعل سمجھا۔

ترکی بحری بیڑے پر سخت کاری وار

عہدنامہ بلغراد

رُوس اور ترکی میں جو عہدنامہ ہوا اُس کی رُو سے بحری بیڑے کو اب بحرِ اسود خالی کرنا پڑا اور اس سمندر پر رُوس کا واحد اقتدار تسلیم کر لیا گیا۔ بالفاظِ دیگر اب ترکی کا وہ علاقہ جو بحرِ اسود کے ساتھ ساتھ تھا بغیر پناہ کے رہ گیا اور اب رُوس کو یہ دفاعی اختیار ہو گیا، کہ وہ اپنے بحری بیڑے کی مدد سے ترکی کے علاقے پر بلا مقابلہ اور اچانک حملہ کر سکتا تھا۔ اس طرح سے ترکی کا بحری بیڑہ دفاعی بنیادی اصول کے لحاظ سے ناکارہ ہو گیا۔ یہ عہدنامہ بلغراد کے نام سے مشہور ہے ۱۷۴۱ء

ہیں ترکی نے پیرس کے عہد نامے پر دستخط کر کے اپنی سلطنت کی بنیاد کے تلے ایک سرنگ اڑا کر اسے اور زیادہ کمزور کر دیا۔
سنہ ۱۷۴۵ء میں امیر مسعود نے اپنی سنہ ۱۶۹۱ء کی جدوجہد کو ترکی کے خلاف پھر سے نہایت مستعدی سے جاری کر دیا۔ اور امیر مسعود کئی شہروں اور بہت سے ترکی علاقہ پر قابض ہو گیا۔
ریاستہائے بلقان نے اپنی جنگ آزادی تیز تر کر دی۔ چنانچہ سنہ ۱۷۹۹ء میں مانٹینگرو کو آزاد تسلیم کر لیا گیا اور سربیا کو سنہ ۱۸۰۴ء اور رومانیہ کو سنہ ۱۸۷۸ء اور بلغاریہ کو سنہ ۱۹۰۸ء میں حق آزادی ملا۔

اسلامی لشکر تباہی کی طرف

یورپی طرز پر ترکی فوج میں اصلاح

اس اصلاح کا آغاز سلیم خان ثالث کے عہد میں ہوا۔ جو سنہ ۱۷۸۹ء میں تخت نشین ہوا تھا۔ اس سلطان نے نپولین بونا پارٹ سے مراسم قائم کر کے ترکی افسروں کو فرانس میں فرانسیسی طرز کی دفاعی تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجا اور خان پاشا اور قاضی پاشا نے چند ہزار قواعد دان سپاہیوں کو دو دستوں میں یورپی نظم پر تنظیم دی۔ ان دستوں نے بغاوتوں کو فرو کرنے میں جب نمایاں کام کیا۔ تو غداروں کو اس نئی اصلاح سے اپنی بربادی کا خطرہ نظر آیا۔ اس لیئے شیخ الاسلام عطاء اللہ آفندی اور ینی چری اور حلی

نے متحدہ محاذ قائم کرکے سلطان کے خلاف اس بنا پر بغاوت کا علم کھڑا کر دیا کہ:۔
"چونکہ ترکی کی نئی قوا عدوان فوج نے اسلامی وردی کی جگہ عیسائیوں کی سی وردی پہن لی ہے۔ لہٰذا یہ لوگ کافر، ملحد اور بے دین ہیں"
نفس پرستی اور لوٹ کے لیئے یہ الزام ایک بہانہ تھا۔
قبقچی نے ایک فوج قائم کی تھی۔ جسے اس نے ینگ جری کا لقب دیا اور شیخ الاسلام کی معاون سلطانی جاں نثار فوج تھی جس نے اپنے ذاتی مفاد پر بغاوت کی تھی۔ اس متحدہ فوج نے اسلام بول کے شہر پر حملہ کرکے اُس پر قبضہ کرلیا۔
گو سلطان نے مجبوراً اس دفاعی تنظیم کے احکامات کو منسوخ کر دیا۔ پھر بھی کئی اُمراء اور عوام اس کی نذر ہو گیئے۔ سلطان سلیم کو معزول کر دیا اور اس کے دو جانشین سلطان بھی اسی بغاوت کی بھینٹ چڑھا دیئے گیئے۔
بد قسمتی یہ ہے کہ کسی ترکی مبصر نے نئی اصلاح کو گہرائی یا سنجیدگی سے مطالعہ نہیں کیا۔ یہاں سوال وردی کا نہ تھا بلکہ اسلامی روایات کو ترک کرنا تھا۔ مگر وقت تو یہ تھی۔ کہ علما علم دفاع سے اب نابلد تھے۔ لہٰذا وہ ملک کی راہنمائی کرنے سے قاصر تھے۔

تاریخ کے اوراق کی دُہرائی

برطانیہ نے اس انتشار سے فائدہ اٹھانے کی ٹھان لی۔ اور وہ فرانس کے بڑھتے ہوئے اثرات کو روکنا چاہتا تھا۔

۲۰ر فروری ۱۸۰۷ء کو انگریزی بحری بیڑہ درۂ دانیال سے دندناتا ہوا گزر گیا۔ ترکی قلعوں کی توپوں نے نکما سا فائر کیا۔ اس لیئے انگریزی بحری بیڑے کو کوئی نقصان نہ ہوا۔ قپودن پاشا نے بھاگنے کی نظیر پیش کی۔ اور عثمانی بحری بیڑا جو گیلی پولی میں مقیم تھا۔ بلا مقابلہ تباہ ہو گیا۔ ترکی توپچیوں نے ایک بھی فائر نہ کیا۔ البتہ فرانسیسی افسر جو ترکی بحری بیڑے میں ملازم تھے۔ انہوں نے مقابلہ کیا۔ مگر یہ مقابلہ برطانوی بیڑے کے خلاف بیکار ثابت ہوا۔ البتہ سارے ترکی بحری بیڑے میں سے صرف دو جنگی جہاز مقابلہ کے بعد بچ نکلے۔

ترکی کے شاہی اور پاشاؤں کے محلات

ان مقامات میں پریشانی اور اضطراب کا عالم تھا۔ مرد ہراساں تھے۔ عورتیں رو رہی تھیں۔ خواجہ سرا اپنے سر پیٹ رہے تھے۔ غلام واویلا کر رہے تھے۔ وزراء نے غداری کی۔ وہ بے حس ہو چکے تھے۔

برطانیہ نے جو شرائط پیش کیں۔ اُسے بلا عذر و حجت تسلیم کر لیا۔ فرانسیسی سفارت خانے اور افسروں کو نکل جانے کا حکم دے دیا۔

گویا اور وہ لوگ اپنا بستر بغل میں دبا کر چلے گئے۔ کیونکہ اُن کے لیئے کوئی اور چارہ کار نہ تھا۔

اسی اسلام بول میں جب ترک آئے۔ تو قیصر رُوما کے محلات اور وُزرا کے گھروں میں یہی عالم تھا۔

"ترک ان آیاتِ قرآنی کو بھول چکے تھے"

"مسلمانو تم نہ سمجھو۔ کہ صرف ایمان کا اقرار تمہیں جنتی بنائے گا۔ تمہیں آزمایا جائے گا۔ ..... امن کی زندگی تمہارے لیئے مہلک ہے۔ تم دنیا کے لیئے پیغام انقلاب بن کر آئے ہو۔ اس لیئے جہاد کے لیئے انقباضِ طبع کے باوجود ہمیشہ تیار رہو۔ ..... جو لوگ دین کی وجہ سے تمہارے دشمن ہیں۔ اُن کے ساتھ ازدواجی رشتہ کبھی سعادت و فلاح کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیئے تم جماعتِ مومنین کے ساتھ ہر حال میں وابستہ رہو"

صرف ترکی سلطانوں نے ہی اپنے دشمنوں کی لڑکیوں سے شادیاں کیں بلکہ اُمرا تو کیا علما و شیخ الاسلام بھی اس متعدی بیماری سے نہ بچ سکے۔ لہذا قرآن مجید کے احکامات پورے ہو کر رہے۔

سلطان محمود خان

۱۸۰۸ء تا ۱۸۳۹ء

اس مُلک خرابے انتشار اور بغاوتوں کے درمیان محمود خان

کو تخت پر بٹھلایا گیا۔ اس شاہزادے کو فرانسیسی اتالیق نے مغربی طرز کی تعلیم دی تھی۔ اور قدرتی طور سے اس کا ذاتی میلان مغربی تہذیب و تمدن کی طرف تھا۔ لیکن اس کے ساتھ وہ اسلامی تعلیمات اور حب الوطنی سے ناآشنا نہ تھا۔ ہم تاریخی حوالے سے اس کا تخت نشینی کے وقت کا فرمان نقل کرتے ہیں۔

"آپ کو معلوم ہے دولتِ عثمانی صبح جیسی نمودار ہوئی اُسی وقت سے تمام رعایا سلاطین کے زیر سایہ شاداں و فرحاں امن و امان سے زندگی بسر کرتی رہی ہے بہادرانِ اسلام کے لشکر کی ہیبت سے غیر اقوام کے بادشاہ لرزتے تھے۔ ہر ایک جاں نثار اسلام معرکۂ کارزار میں معاندین پر غالب رہا ہے۔ شجاعانِ اسلام نے بے پایاں مالِ غنیمت حاصل کیا اور پرچم ہلالی نصرٌ منَ اللہِ وَفتحٌ قریبٌ کی برکت سے کبھی سرنگوں نہ ہوا۔ میں جاں نثار فوج سے نہایت خوش ہوں کہ وہ جہادِ اسلام میں سربکف ہے اور دشمنانِ اسلام کے لئے ان کی شمشیر آبدار بے نیام ہے۔ اُن کی اُن خدمات کے صلے میں معقول وظائف مقرر کئے گئے ہیں۔ ساتھ ہی مجھے اِس بات کا افسوس بھی ہے کہ سابقہ اسلامی فوج نے اپنے اسلاف کا طریقہ چھوڑ دیا ہے اور ذلّت و نکبت کی خاک اپنی آنکھوں میں جھونک لی ہے۔ سب کے سب لہو و لعب میں مصروف ہیں اور سرتابی و عصیاں سے مالوف ہیں۔ بعض ایسے ہیں۔ جنھوں

نے اپنی اپنی معاش کی سندات کابل اور بزدل لوگوں کے ہاتھ فروخت
کر دی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حشمت و اقبال نے اُن سے منہ پھیر لیا
ہے۔ جرأت و شجاعت ان کے دلوں سے جاتی رہی ہے۔ فن سپاہ
گری سے منہ موڑ لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دشمنوں نے ہمارے
ملک پر دست درازی کی ہے۔ میں بہادر ینگ چری اور
ہر سپاہی سے کہتا ہوں۔ کہ اس خواب غفلت سے ہوشیار ہو جاؤ
اطوار ناہنجار سے باز آؤ۔ جوہر شجاعت دکھاؤ۔ اور زمانہ سلف کے
جان نثاران اسلام کے نقش قدم پر گامزن ہو جاؤ۔ تاکہ تم لوگوں
سے سلطنتِ عثمانیہ کا حصار قائم رہے اور دشمنان اسلام پامال ہوں
میں چاہتا ہوں کہ تمہارے خون حمیت سے نخل اسلام کو سینچوں اور
تمہاری تشنہ خون تلواروں کو دشمنان دین کا خون پلاؤں
مگر تم بھی اپنا فرض بجاؤ۔ تمہیں جدید قواعدوان فوج کے مقابل
ہونا ہے۔ جدید آلات توپ و تفنگ سے مقابلہ کرنا ہے اس
لئے تم بھی قواعد دان بنو اور جو آلات دشمنوں نے ہمارے لئے
ایجاد کئے ہیں۔ انھیں آلات سے تم اپنے دشمنوں کو خاک و
خون میں ملاؤ۔ بس محض اس لئے میں جدید قواعدوان فوج کا مرید
ہوں۔ زمانہ کے مطابق کام کرنا یہ گناہ نہیں، بلکہ خدا اور رسول
کا حکم ہے۔

سلطان نے تعلیم کے سکول جاری کیئے۔ غلامی کو ختم کیا۔

عیسائیوں اور یہودیوں کو مراعات دیں۔ اس نے اپنے اُمرا اور عوام سے کہا کہ وہ مغربی لباس اور جس طریق زندگی کو اختیار کرنا چاہیں کریں۔ سلطان کا خیال تھا۔ کہ اس لباس کے نمائشی اظہار سے مغربی قومیں ترکوں کو پس ماندہ خیال نہ کریں گی۔

صدر اعظم نے سلطان کے فرمان کو سرانجام دینے کے لیئے تمام پاشاؤں اور خاص خاص اعیانِ سلطنت کی ایک مجلس قائم کی۔ اور حاضرین جلسہ کو غیرت و جوش دلایا۔ اور ملک کی ابتر حالت کی طرف توجہ دلائی اور اُن کو بتایا۔ کہ ترکی فوج بالکل اپاہج ہو گئی ہے۔ معزز جماعت علما کے خاص قضاۃ اپنے خانگی ملازموں کو جان نثاروں کی مد سے تنخواہ دیتے ہیں۔ اس قسم کے شرمناک معاملات کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ ایک جنگ آزمودہ سپاہی کی تنخواہ اور اس تنخواہ کے علاوہ دیگر مختلف تنخواہوں کی اُس شخص پر بارش ہوتی ہے جس نے کبھی جنگ کی صورت بھی نہیں دیکھی۔

صدر نے کہا کہ سرکاری رقوم کی شرمناک تجارت ہونے لگی ہے جس کے سرپرست افواج کے قائم ہیں یا وہ یہودی جو ہمارے ملک کے نہایت زبردست دشمن ہیں نتیجہ یہ ہے۔ کہ وطن پرست وفادار سپاہی اپنی تنخواہ سے محروم رہتا ہے۔ جو سرکار اس کی جانفشانیوں کے معاوضے ہیں اس کے عیال و اطفال کی گذر اوقات کے لیئے دیتی ہے۔

اس قسم کی وجوہات کو پیش نظر رکھتے ہوئے سلطان نے ملک کی ناموری اور عوام کی بہبودی کے لیئے یہ فرمان جاری کیا ہے۔ تاکہ قدیم توانین پر دوبارہ عملدرآمد ہو۔ اور اسی غرض سے یہ مجلس بلائی گئی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد صدر نے حسب ذیل تجاویز پیش کیں:-

۱۔ جاں نثاروں کی اعلیٰ خدمات کی سندات کی خرید وفروخت کا انسداد کیا جائے۔

۲۔ غیر شادی شدہ جاں نثاروں کی چھاؤنیوں میں بودو باش کو مشروط قرار دیا جائے۔

۳۔ صرف انہی کو تنخواہ دی جائے۔ جو چھاؤنیوں میں ہوں یا جنگ میں مصروف ہوں۔

۴۔ چھاؤنیوں کے نگران کار افسروں کے صداقت ناموں پر پیش از پیش فروخت تنخواہ کی ممانعت اور بصورت خلاف ورزی شدید ترین سزا دی جائے۔

۵۔ جاں نثاری نظم کے وظائف کی ایک عام نظر ثانی کی جائے۔

۶۔ جاں نثاروں کے لیئے لازم ہوگا۔ کہ وہ سلیمان کی منظمہ قواعد کریں۔ اور فوجی ضابطے کی سختی سے پابندی کریں۔

۷۔ عثمانی افواج کا جدید فن جنگ اور جدید آلات کا استعمال کرنا لازمی قرار دے دیا جائے۔

صدر نے یہ اعلان کیا۔ کہ مفتیوں کے فتوے حاصل کر لیے گئے ہیں۔ اور وہ سب ان امور پر عمل کرانے کے لیے متفق الرائے ہیں۔ یہ فیصلے بہت اہم تھے۔ مگر ان پر عمل کرانا آسان مسئلہ نہ تھا۔

ایک وہ زمانہ تھا۔ کہ عثمانی توپ خانہ یورپ و ایشیا میں بہترین توپ خانہ مانا جاتا تھا۔ مگر عرصہ سے ترکوں نے اپنی توپوں کو جدید ترین طریقے پر ساخت کرنے کی کوئی کوشش نہ کی تھی جس کا نتیجہ یہ تھا۔ کہ ترکوں کو بار بار مختلف میدانی جنگوں میں ہزیمتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

توپ خانہ ترکوں کے پاس توپچیوں کی کمی نہ تھی۔ کیونکہ چالیس ہزار توپچیوں کو تنخواہیں ملتی تھیں۔ جاں نثاروں کی طرح سے اس فوج میں بھی بے قاعدگی اور بد نظمی تھی۔ ایک دستاویز جسے "اسامی" کہتے تھے۔ ہر سپاہی کے پاس موجود رہتی تھی۔ جس کو پیش کر کے وہ یا اُس کا مختار تنخواہ لیتا تھا۔ اکثر تو یہ سند کا کاغذ بیچ دیا جاتا تھا۔ اور بیچنے والا پھر کبھی اس فوج میں شامل نہ ہوتا تھا۔ کسی اور جگہ ملازمت اختیار کر کے اسامی حاصل کر لیتا تھا۔ بہر حال یہ لوگ جہاں اُن کا فائدہ ہوتا تھا۔ وہاں پر کام کرتے تھے۔

سلطان نے یہ کام "بیرن دی توت" کے سپرد کیا۔ کہ وہ جدید توپیں ڈھالنے کا کارخانہ قائم کرے۔ اور توپ خانہ کا ایک جدید دستہ تیار کرے۔ سفیر جمہوریت فرانس "جنرل اوبرے دی بائیے"

انجنیروں۔ افسروں۔ آلات حرب کے ماہر فن اور توپ خانے کے کاریگروں کو فرانس سے اپنے ہمراہ لایا۔

توپیں ترکی توپوں کے کارخانوں میں فرانسیؔ گری بوول" کے طریق پر بارہ۔ آٹھ اور چار انچ کے دہانے کی توپیں بننے لگیں اور ان توپوں کو یکساں دھات میں ڈھلنے والی مشینوں میں تیار کیا گیا۔ اور ہر بایا (GROVES) گیا۔ اور کانسی کی توپیں ڈھالنے میں جوڑ کا استعمال ترک کر دیا۔

ہوٹیزر ترکی کارخانوں میں روسی ہوٹیزر کے نمونے پر ہوٹیزر تیار کیے گئے۔

توپ خانہ کا دستہ تنظیم۔ (۱) ہر توپ خانہ کا دستہ یورپی (فرانسیسی) طریقے پر تیار کیا گیا اور اسی اصول پر اسے مسلح کیا گیا۔

۲۔ ہر دستے کی تعداد اب آٹھ نفر کی تھی اور کل تعداد تین ہزار تھی۔ اور یہ سب ماہر گولہ انداز تھے۔

۳۔ توپیں فرانسیسی طریقہ سے گاڑیوں پر یا گھوڑوں پر لادی جانے لگیں۔ تاکہ میدانی اور پہاڑی علاقوں میں کام لائی جا سکیں۔

بحری بیڑے بحری بیڑے کے جہازوں کی بھی بالکل حالت خراب تھی مثلاً:۔

۱۔ ساخت:۔ ان جہازوں کے بازوؤں پر سامنے کی طرف

تھیوں کے دمدمے تھے۔ جو ذرا سی تیز ہوا کے باعث سمندر کی لہروں کے پانی میں ڈوب جاتے تھے۔ ان جہازوں کا حفاظتی انتظام خراب تھا۔ کیونکہ دشمن کی آتش بازی سے جہازوں میں آگ جلد لگ جاتی تھی۔

دفاعی سامان مثلاً حربی آلات و رسد کے انبار کرنے کا انتظام ناقص تھا۔

۲۔ قابلیت:۔ امیرالبحر (کپتین پاشا) کو اعلےٰ تقررات کا اختیار تھا۔ وہ جہازوں کی افسری کا نیلام کرتا اور سب سے زیادہ بولی لگانے والے کو دیتا تھا۔

اس طرح سے جہاز کا کپتان اپنے عملے میں ترقی و تقرری کے وقت روپیہ وصول کرتا تھا۔

بحری بیڑے کو درست کرنے کا کام بھی بیرن دی توت کے حوالے کیا گیا۔ بیرن نے جہاز گودام میں بحری افسروں اور ملاحوں کی تعلیم کے لیئے سکول جاری کیا اور ان میں صرف اُن افسروں اور ملاحوں کو شامل کیا۔ جو کہ جنگ آزمودہ تھے۔ بیرن نے اپنی رپورٹ میں لکھا۔ کہ گو بحری سکول کے کئی طلباء سفید ریش تھے۔ مگر انہوں نے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر تعلیم حاصل کرنے میں شرم محسوس نہ کی۔ اور اس سکول کے تعلیم یافتہ بحری افسر۔ انجنیئر۔ ملاح جوار تفاع ناپ سکتے ہیں۔ قطب نما کا صحیح استعمال جان گئے ہیں۔ جہاز رانی

کا نقشہ صحیح طور سے پڑھ کر جہاز رانی کر سکتے ہیں۔ ... "

اس رپورٹ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ بحری بیڑہ کس قدر خراب حالت میں تھا۔ اور ان حالات میں ترکی بحری بیڑے کو بحری جنگ میں شکست نہ ہونا تعجب خیز امر ہوتا۔

جہازوں کی وضع

ترکی جہازوں کی وضع دقیانوسی تھی اور ان میں بہت سی جگہ (SPACE) اس لیے ضائع ہوتی تھی کہ اُن جہازوں کی چھتیں اُونچی تھیں۔ گو جہاز زیادہ بڑی جسامت کے نہ تھے۔ اس لیے سامانِ حرب اور سپاہی جہاز کی اندرونی جسامت کے لحاظ سے کم لادے جا سکتے تھے۔ عرشے کی بلندی کو کم گھٹانے کی تجویز ہمانے کی بلندی کی وجہ سے نامنظور ہوئی۔ اسی طرح سے وہ تجاویز بھی نامنظور ہوئیں۔ جو مستولوں کو بڑھانے کے متعلق تھیں۔ کیونکہ جہازوں کو رکھنے کی صورت میں دقت کا سامنا ہوگا۔ بالفاظ دیگر بیرن کو ہر قدم پر اسی قسم کی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن بیرن دی توت نے ہار نہ مانی۔ اور آخر کار فرانسیسی انجنیئروں کی مدد سے ایسے جہاز تیار کیے۔ جو وضع قطع حجم اور چھت میں فرانسیسی جہازوں کی تقلید کرتے تھے اور جدید قسم کے تھے۔

بری فوج

رسالہ سواروں کے دستوں کو یورپین (فرانسیسی) طریقہ پر منظم اور مسلح کیا گیا اور قواعد بھی یورپین طرز پر سکھلائی

شروع کر دی۔

پیادل فوج

قابل جاں نثاروں اور نوجوان مسلمانوں سے جن کے نام چھاؤنیوں کے رجسٹروں میں درج تھے۔ ان کو رنگروٹ کی حیثیت سے چنا گیا۔ اور ان کو مکمل دستوں میں ترتیب دے کر جدید قسم کے یورپی ہتھیاروں سے مسلح کیا۔ اور اس طرح سے اس فوج کا نظم بھی یورپی طرز پر ڈھال دیا۔ ان کی حربی تعلیم بھی یورپی طرز پر کر دی گئی۔

غیر ملکی مفروروں کا دستہ

فرانسیسی رسم کے بموجب غیر ملکی مفروروں کا ایک دستہ جسے (FORIEGNLESIAN) "فارن لیجن" پکارا جاتا تھا۔ ایک مفرور انگریز افسر مصطفےٰ (کیمبل) کے تحت قائم کیا۔ اور جو نظام جدید کا جزو لاینفک تھا۔ مگر اس نظام نے فوجی نظم کو کمزور سے کمزور ترین بنا دیا۔

ہمیں اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ترکوں نے "ینی چری" (جاں نثار فوج کو قائم کر کے اپنی حکومت کے عوام کو جذبہ جہاد سے دُور پھینک دیا تھا۔ اب اس نئے نظام نے دول یورپ کے جاسوسوں کو کھلے بندوں ترکوں میں آ کر مقیم ہونے کا موقع دے دیا۔

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اس قسم کا دستہ فرانس میں ان ایام میں موجود تھا۔ اور آجکل بھی ہے۔ مگر فرانس میں ایسا دستہ قائم کرنے کی دو وجوہات تھیں:۔

۱- فرانس میں مردوں کی آبادی کم ہے۔ اور اُن کو اپنے آدمیوں کی فیکٹریوں اور باقاعدہ فوج میں ضرورت ہے۔ للہذا بیرونی اشخاص سے اس مردم آبادی کی کمی کو پورا کرنا اُن کے لیے ضروری ہے۔ مگر ترکی میں لڑاکا مردوں کی کوئی کمی نہ تھی۔

۲- فرانس نے فارن لیجن کے لیے جو قوانین مرتب کیے ہیں۔ وہ نہایت ہی ذلیل اور غیر انسانی ہیں۔ جن پر فرانس جیسی غیر اصولی حکومت کاربند رہ سکتی ہے۔ ترکی ایک اسلامی مملکت تھی۔ جو بگڑنے پر بھی بربریت پسند اور وحشیانہ قوانین پر کاربند نہ ہو سکتی تھی۔ اس فوج کے سپاہیوں نے آگے چل کر فلبی اور لارنس جیسے عناصر پیدا کیے۔ جنہوں نے ترکی حکومت کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں ؛

خلاصہ

اسباق مناسب یہی ہے۔ کہ ہم اس حصے کے اہم اسباق کو دہرا دیں۔ جو حسب ذیل خلاصے پر شامل ہے :

۱- جب امیر عثمان نے آل عثمان کی بنیاد ڈالی۔ تو اُس کے دل میں اشاعت اسلام کا زبردست جذبہ تھا۔ اُس کا لشکر

ترک قبائل کے رضاکاروں کا تھا۔ جو جفاکش منظم اور مجاہد تھے عثمان نے یہ وصیت چھوڑ دی "اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں جدو جہد کرتے رہنا۔ احکام شریعت سے سرتابی نہ کرنا۔ کتاب و سنت کو اپنا دستور العمل بنائے رکھنا تمہارا ہر جہاد فی سبیل اللہ ہونا چاہیئے۔ لوگوں پر رحم کرنا۔ ظاہر و باطن ایک رکھنا۔ ۔ ۔ ۔"

عثمان کی تمنا یہ تھی "اگر تو ارطغرل کا بیٹا ہے اور اغوز قرہ خان کی نسل سے ہے اور اگر تجھے اپنے آپ کو مسلم کہلوانے کا دعوی ہے۔ تو قسطنطنیہ فتح کر۔ ۔ ۔ ۔"

جب تک آل عثمان ان نصائح پر کاربند رہی۔ فتحیابی ان کے قدم چومتی رہی۔

۴۔ سلطان اورخان نے اپنے بڑے بھائی علاؤ الدین پاشا کی تجویز پر ترکی فوج کو منظم کیا۔ اس نظم کی خوبی یہ تھی۔ کہ ترکی فوج میں رضاکاروں، معاون جاگیرداروں کے قسم کے سپاہیوں کی اکثریت تھی۔ یا یوں کہیئے کہ رعایا ملک کی حفاظت کی ذمہ دار تھی۔ اور سلطان اس کا نگہبان تھا۔ سلطان خود میدان جنگ میں ترکی لشکر کی سپہ سالاری کرتا تھا۔ علاؤ الدین پاشا نے ینی چری (جاں نثار) فوج کی بنیاد نیک ارادے اور صائب وجوہات کی بنا پر ڈالی۔ اس تجویز کو سلطان کے علاوہ محترم شیخ

حاجی بکتاشی نے بھی سراہا۔ اس فوج کی تعداد دو ہزار مقرر کی گئی۔

۳۔ بایزید ایلدرم نے شراب نوشی اور عیش پسندی اختیار کی جس کی وجہ سے وہ فوج کے حالات سے بہت حد تک بے خبر ہو گیا۔ گو وہ بہادر، جنگجو اور علم دفاع کا ماہر تھا۔ مگر سلطان کی بے خبری کے باعث تیمور نے اس کے سالاروں کو لالچ اور رشوت سے خرید لیا۔ اس کی سپاہ کے بڑے حصے نے غداروں کی اور ایلدرم میدانِ جنگ میں مات کھا گیا۔

ایلدرم کے عہد میں جاگیر دار (سلحدار) دستے کی غداری کی وجہ سے محمد ثانی نے ینی چری دستے کی تعداد پہلے دس ہزار کی اور قسطنطنیہ کی فتح کے صلے میں ان کی تعداد بارہ ہزار سے بھی زائد کر دی۔ محمد ثانی نے خونیں رسم جاری کر کے آلِ عثمان کو سخت نقصان پہنچایا۔ سلیمان اعظم کے وقت میں ینی چری دستے کی تعداد چالیس ہزار تھی اور اس دستے نے نہایت نمایاں کام میدانِ جنگ میں کئے۔ البتہ جب سلطان حسن و جمال کا غلام بن گیا تو اس دستے نے پہلی بار بغاوت کا علم بلند کیا۔ (۱۸۱۵ء)

۴۔ سلیمانِ اعظم کے عہد سے "کیج سسٹم" شروع ہوا جس کی بدولت

شہزادوں کو عیش و طرب کی طرف اس لیئے مائل کر دیا گیا۔ تا کہ وہ سلطان کے عیش میں مخل نہ ہوں۔ یا پھر بغاوت نہ کر سکیں۔ بالفاظ دیگر سلطان سلیمان نے آلِ عثمان کے حکمرانوں کو نا اہل، بُزدل، آرام طلب و عیاش بنانے کا مکمل انتظام کر دیا۔ چونکہ ترکی عوام کے دلوں میں اسلام کی اشاعت کا جذبہ باقی تھا۔ اس لیئے ترکی حکومت نے صدیوں تک طوفانوں کا مقابلہ کیا۔

۵۔ "مراد" نے ینی چری دستے کی تعداد ساٹھ ہزار کر دی۔ اور محمد ثالث نے اسے بڑھا کر ایک لاکھ دو ہزار (تقریباً) کر دیا۔ یا یوں کہیئے۔ کہ اب ترکی فوج زیادہ ینی چری دستوں کی تھی۔ اس کثرت کے باعث اس فوج کا جب اقتدار بڑھا۔ تو سرکشی اور بغاوتیں رواج پکڑ گئیں۔ مگر سلطان چونکہ بے بس اور نا اہل تھے۔ لہٰذا اس دستے کی تعداد اور بھی بڑھی۔ اور محمد رابع کے عہد میں اس کی تعداد دو لاکھ سے زائد ہی تھی۔

"ینی چری کے زوال کا آغاز": مسلسل بغاوتوں کی وجہ سے سلطان اور اُمرا چونک اُٹھے۔ لہٰذا سلطان نے ۱۶۵۲ء میں جب ینی چری کی تعداد صرف پچپن ہزار کر دی۔ تو بغاوت پھوٹ نکلی۔ لہٰذا ۱۶۵۵ء میں اس

دستے کی تعداد پھر دگنی کر دی گئی۔

۶۔ جائے عبرت:۔ بہت افسوسناک امر یہ ہے۔ کہ علمائے دین رشوت خوری اور بددیانتی میں صفِ اوّل میں تھے۔ اور ہزاروں ینی چری سپاہیوں کی تنخواہیں غلط اور جھوٹے اندراج سے وہ کھاتے تھے۔ اور جب کبھی فوج کو منظم کرنے کی کوشش کی گئی۔ تو ان مقدس راہنماؤں نے وہی طریقہ اختیار کیا۔ جو کہ چند صدیاں پہلے عیسائی پادریوں کا تھا۔ جس طرح سے اُن کی بدولت یورپ قبائلی نظریہ پر منقسم ہوا۔ اور قبائلی عصبیت بڑھی۔ اور پھر کروسیڈز ناکام رہے۔ اب ان حضرات کے غلط اقدام اور خلاف شرع عمل کی بدولت سلطنت عثمانیہ ترکیہ زوال کی گہرے غار کی طرف سرعت سے بڑھتی چلی گئی۔

۷۔ جب عوام تعلیمات قرآنی کو بھول کر آرام طلب ہو جاتے ہیں۔ تو اُن کے ہاتھ تلوار اُٹھانے کے قابل نہیں رہتے۔ جبر و ظلم بالادست کا آلہ کار بن جاتا ہے۔ ان حالات میں جابر ایک شخص ہو یا دستہ جو کچھ بھی نہ کر گزرے کم ہے۔ ینی چری دستے کے آغا عیاش اور شراب نوش تھے۔ عیاشی کے لیئے جب روپیہ کی ضرورت پڑتی تھی۔ تو یہ لوگ ہر قسم کے ذرائع استعمال کرتے تھے۔ آخر کار

ینی چری کے آغا "بادشاہ گر" بن گئے جسے چاہتے تخت پر بٹھاتے یا اتارتے۔

۱۸۱۴ء میں ینی چری نے پہلی بار بغاوت کی ۱۶۱۲ء میں تو ایسا سلسلہ جاری ہوا کہ آئے دن کی بغاوتیں رسم بن گئیں۔ گو سو صدی بعد اس فوج کو یورپین طرز پر منظم کیا گیا۔ مگر بنیادی کمزوریوں کی طرف کسی نے دھیان نہ دیا ؎

عیب ذاتی کو چھپائے گا نہ وصفِ عارضی
زیب بد اندام کو ہو ذوق کیا پوشاک سے

اس بنیادی کمزوری کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترکی حکومت کے اب حصے بکھرے ہونے لگے اور وہ ترک جن کے نام سے یورپ ایشیا اور افریقہ خوف کھاتے تھے اب اس کی حالت یہ تھی کہ جہاں ۱۵۴۳ء میں بقول فرانسیسی مورخ ولاڈوین کے :-

"قسطنطنیہ کے باشندے اس کی بجائے کہ وہ ہتھیار سنبھالتے اور شہر کی فصیلوں کی طرف جھپٹ پڑتے روحی اپنا وقت ماتم میں صرف کرتے رہے ... بعض مریم کی مورت کے سامنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہوئے گریہ کناں تھے .. .. .. وغیرہ۔"

۲۰ فروری ۱۸۰۷ء میں جب برطانوی بیڑا بلا مزاحمت

درّہ دانیال کو عبور کر گیا تو:۔

وزیر جنگ قیودن پاشا نے میدان جنگ سے بھاگنے کی نظیر پیش کی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سرائے کے شاہی محلات اور اُمرا کے قصروں میں اضطراب و پریشانی کا عالم تھا۔ عورتیں رو رہی تھیں۔ خواجہ سرا اپنے سر پیٹ رہے تھے۔ غلام واویلا کر رہے تھے۔ خوف زدہ وُزرا نے بلاحجت دشمن کے مطالبات کے سامنے سر جھکا دیا۔"

تعلیماتِ قرآنی
ہمیں یہ بتلاتی ہیں

"مومنو! شراب، جوا، معبودانِ باطل کے نشان اور پانسے شیطانی کاموں کی گندگی ہے۔ ان سے بچو تاکہ فلاح حاصل کر سکو۔ شیطان کی خواہش ہے کہ انکے ذریعہ تمہارے درمیان عداوت اور کینہ ڈلوا دے اور صلوٰۃ و ذکرِ الٰہی سے باز رکھے۔ کیا تم اس کے جھانسے میں آجاؤ گے؟ وغیرہ۔

مسلمانو! تم یہ نہ سمجھو کہ صرف ایمان کا اقرار تمہیں جنتی بنا دے گا۔ تمہیں آزمایا جائے گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ امن کی زندگی تمہارے

لیئے مہلک ہے۔ تم دنیا کے لیئے پیغام انقلاب بن کر آئے ہو۔ اس لیئے جہاد کے لیئے انقباض طبع کے باوجود ہمیشہ تیار رہو۔ ۔ ۔ ۔ جو لوگ دین کی وجہ سے تمہارے دشمن ہیں۔ اُن کے ساتھ ازدواجی رشتہ کبھی سعادت و فلاح کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ اس لیئے تم جماعتِ مومنین کے ساتھ ہر حال میں وابستہ رہو"

اب ہم ذرا سر جھکا کر سوچیں۔ کہ کیا ہم تعلیماتِ قرآنی پر عمل کر رہے ہیں۔

اگر نہیں کر رہے۔ تو کیوں؟

اور

اس کا انجام کیا ہوگا؟

جواب دو

خاموش کیوں ہو!

اس کے بعد کے حالات

"محمد مصطفیٰ کمال پاشا"

(حصہ دوم)

میں ملاحظہ کیجئے